دشتِ طلب
ودیا رتن عاصیؔ

محترم پروفیسر جناب پران جی آر دو مارہ صاحب
کی خدمت میں
ہدیہ خلوص
ودیا رتن عاصی
19/3/06

# دشتِ طلب

## ودیا رتن عاصیؔ

مُرتبہ:
خالد حسین

ناشر: ذاکر پبلی کیشنز، 246۔ محلّہ اُستاد جمّوں

# "DASHT-E-TALLAB"

By

Vidya Rattan Aasi

Rs. 175

Compiled By

Khalid Hussain

Publisher:

Zakir Publications-246- Mohalla Ustad,

Jammu(J&K)

(C) جملہ حقوق بحقِ مصنف محفوظ ہیں

نام کتاب : دشتِ طلب

موضوع : شاعری

شاعر : پنڈت ودیا رتن عاصیؔ

مُرتبہ : خالد حسین

معاونت : لیاقت جعفری

سرورق : وجے صراف، گورنمنٹ کوارٹرز، وزارت روڈ، جموں

سنِ اشاعت : فروری ۲۰۰۸ء

تعداد : پانچ سو

قیمت : 175 روپے

ناشر : ذاکر پبلی کیشنز، محلہ استاد، جموّں

کمپیوٹر کمپوزنگ : دلیپ کمار شرما، بھاو کا گرافِکس، بُوٹا نگر پلوڑہ، جموّں
سُدیش کمار، اِنفارمیشن آفس، جموّں

مطبع : پرنٹ ویل، 146/147 انڈسٹریل فوکل پوائنٹ،
امرتسر۔ فون نمبر: 0183-2587036

کتاب ملنے کا پتہ : ☆ ذاکر پبلی کیشنز، 246 محلہ استاد، جموّں

☆ اِمروز پبلی کیشنز، عصمت منزل، موتی بازار، مالیر کوٹلہ

مدتیں گذریں

کہ دِل نے

کی تھی

اُن کی آرزو!!!

آج تک

''دشتِ طلب'' میں

ٹھوکریں

کھاتا ھوں

میں

# انتساب

اپنے دلِ حسّاس کے نام

رُوح کی پیاس ہے، لفظوں سے کہاں بجھتی ہے؟
بند کردو یہ صحیفے ، یہ کتابیں اپنی

**جناب محمد اقبال کھانڈیے**

**کی نذر**

غلط سب دلیلیں غلط سب حوالے
اندھیرے اندھیرے، اُجالے اُجالے

# پنڈت ودیارتن عاصیؔ ۔ ایک تعارف

مسرّت چیز کیا ہے رنج کیا ہے؟
یہ سارا کھیل اِک احساس کا ہے
(عاصیؔ)

کچھ لوگ ناکردہ گناہوں کے لیے دُنیا کی نظروں میں گنہگار بن جاتے ہیں اور عاصیؔ کہلاتے ہیں اور پھر زندگی کے دشت میں اکیلے ٹُنڈ مُنڈ درخت کی طرح اپنی ہی تنہائی میں جھلس جاتے ہیں۔ ان کی آتم کتھا میں نصیب سویا رہتا ہے لیکن ضمیر جاگتا ہے۔ زندگی اُنھیں اُداسیوں اور محرومیوں کی سوغات دیتی ہے۔ محرومیوں کا یہی احساس اُنھیں حساس بنا دیتا ہے۔ ایسے ہی افراد میں میرا شاعر دوست پنڈت ودیارتن عاصیؔ بھی ہے جس نے اپنے لاشعور میں زندگی کے کڑوے پن کو پالا ہے۔ وہ کہتا ہے۔

درہم و برہم ہے نظمِ زندگی
اے غمِ دوراں تیرا خانہ خراب

اپنوں کی حقارت اور نفرت کے کارن جب عاصیؔ کے لیے انسانی رِشتے عذاب بن گئے تو وہ کہہ اُٹھا۔

جیسے ماحول میں جیئے ہم لوگ
آپ ہوتے تو خودکشی کرتے

والدین کی وفات کے بعد جب عاصیؔ کو اپنوں کے سہارے کی ضرورت تھی تو اپنوں نے ہی اُسے ٹھکرا دیا اور بیگانے اپنے بن گئے ، جنہوں نے آگے بڑھ کر عاصیؔ کو تھام لیا۔ اِن نئے رِشتوں کی گرماہٹ میں عاصیؔ جینے لگا اور کاروبارِ زندگی کرنے لگا۔ یہ بھلا اپنوں کو کیوں کر برداشت ہوتا۔ عاصیؔ پر تہمتیں لگنے لگیں۔ وہ بے چین ہو اُٹھا۔

مُفلسوں پہ جب کبھی آیا شباب
گھڑ لیے دُنیا نے قصے بے حساب

اُس کی شادی ہوئی۔ شادی نے خوشیوں کے بدلے غم دیئے۔ اذیتیں دیں۔ ملامتیں دیں۔ عاصیؔ سالہا سال تک اس بندھن کی ارتھی اُٹھائے عدالتوں میں خوار ہوتا رہا۔ رِشتوں کی سُولی چڑھتا رہا۔ آخرش یہ ارتھی جل کر راکھ ہوئی لیکن عاصیؔ کی زندگی مسلسل اُس کے کندھوں کا بوجھ بنی رہی۔ اُن پُر آشوب ایام میں آشا کی ایک کرن دبے پاؤں عاصیؔ کے دِل کے آنگن میں اُتری اور اُس کی آسیب زدہ زندگی میں کُچھ پل کے لیے اُجالا کرنے کے لیے اُس کے ساتھ چند قدم چلی۔ عاصیؔ کے دِل میں اُس کے لیے بہت عزت ہے، محبت ہے۔

پنڈت ودیا رتن عاصیؔ کا مقدر خوبصورت نہ رہا ہو لیکن اُس کا حُسن اور جوانی کبھی قابلِ رشک رہے ہیں۔ مشہور پنجابی شاعر شِو کمار بٹالوی کے یہ اشعار اُس پر پورے اُترتے تھے۔

اِک اوہدے رُوپ دی دُھپ تکھیری
دُوجا مہکاں دا ترہایا
تیجا اوہدا رنگ گلابی
اوہ کسے گوری ماں دا جایا

زندگی کے چھیاسٹھ (66) سال گزارنے کے باوجود بھی عاصیؔ کا رنگ آج بھی گلابی ہے۔ آنکھیں نیلی اور اُن آنکھوں میں سیاہ بختی کا کرب صاف دِکھائی دیتا ہے۔

عاصیؔ جموں کے محلہ چوگان سلاتھیاں میں 11 جولائی 1938ء میں پیدا ہوا۔ والد کا

نام پنڈت شنکر داس تھا۔ بچپن غُربت میں بیتا اور جوانی پر قسمت نے کالی سیاہی تھوپ دی۔ ساری زندگی مسائل کو سُلجھانے میں گذر گئی۔ پھر مسائل ہی اُس کی زندگی بن گئے۔ زمانے کے تلخ تجربات، اُس کے تخلیقی عمل کا حِصّہ بنے۔ عاصیؔ کے کلام میں اُس کا شعوری ردِّعمل صاف جھلکتا ہے۔ اُس کی شاعری زندگی کی بُنیادی سچائیوں کی آئینہ دار ہے اور اُس کے اشعار معاشرے کے رِستے ناسُور کی نقاب کشائی کرتے ہیں۔

''دشتِ طلب'' میں عاصیؔ کی بڑی خوبصورت غزلیں ہیں۔ اِن غزلوں میں ادب اور زندگی کا ایک حسین امتزاج مِلتا ہے۔ عاصیؔ کی غزلوں کا لُطف، سادگیٔ بیان اور طنز کے اچھوتے پن میں مُضمِر ہے۔ اگر غزل نغمگی ہے تو عاصیؔ کے ہاں اِس نغمگی اور غنائیت کا بھرپور احساس مِلتا ہے۔ عاصیؔ کا ذاتی کرب، اُس کا تخلیقی کرب بن گیا ہے اور بامقصد ادب میں عاصیؔ اپنے نقوش چھوڑ گیا ہے۔

پنڈت وِدیا رتن کا رِشتۂ معاش شری اوتار کرشن پوری کے ساتھ ایک لمبے عرصہ تک جُڑا رہا جو ''پی مارکہ'' تیل کی فرم ''دیوی داس گوپال کرشن'' کے مالک ہیں۔ شری پوری نے عاصیؔ کی ہر طرح سے دِل جوئی کی۔ اُس کی بھرپور امداد کی اور اُس کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھا۔

جموں یونیورسٹی میں شعبۂ اُردو کے سابقہ صدر مرحوم شیام لال کالرا کے ساتھ عاصیؔ کے دیرینہ مراسم تھے۔ ڈاکٹر کالرا خود بھی اعلیٰ پایہ کے شاعر، محقق اور نقاد تھے۔ عاصیؔ اُنھیں اکثر اپنی غزلیں سُنایا کرتا جِن کو سن کر وہ عاصیؔ کو اپنے مُفید مشوروں سے نوازتے۔ ادبی دُنیا میں ڈاکٹر کالرا عابدؔ پیشاوری کے نام سے مشہور ہیں۔ اُن کی یادداشت غضب کی تھی۔ جب عاصیؔ کی بیاض گُم ہوگئی تو وہ بے حد دِل برداشتہ ہو چکا تھا۔ تبھی عابدؔ پیشاوری مرحوم نے عاصیؔ کی ہمت بڑھائی۔ وہ عاصیؔ کو اُس کی کِسی غزل سے ایک آدھ شعر سُنا دیتے تو عاصیؔ کو پوری غزل یاد آجاتی۔ یوں گُم شدہ بیاض دوبارہ مرتب ہوئی۔ عاصیؔ کی خواہش تھی کہ عابدؔ پیشاوری اُن کے شعری مجموعہ کا پیش لفظ لکھیں جِسے بعد ازاں عابدؔ مرحوم نے عاصیؔ کی معصوم خواہش سے تعبیر کرکے ''عاصیؔ اور اُس کی شاعری'' کے

عنوان سے رقم کیا۔ عابدؔ پیشاوری کی وہ معتبر تاریخی دستاویز ''دشتِ طلب'' میں شامل ہے۔

برج نندن شرما کے ساتھ عاصیؔ کا ایک ایسا رِشتہ ہے جِسے کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔ وہ عاصیؔ کے بچپن کا دوست ہے۔ اُس کے نشیب و فراز کا ہمراز۔ برج نندن نے عاصیؔ کے کلام کو پسند کیا ہے اور خُوب داد دی ہے۔ دوستوں کی اسی داد نے عاصیؔ کو شعر کہنے کی تحریک دی ہے۔ اُردو کے بزرگ اور کُہنہ مشق شاعر جناب طالبؔ ایمن آبادی نے بھی عاصیؔ کے کلام کو خوب سے خوب تر بنانے میں اپنا حِصّہ ادا کیا ہے...... اور جناب عرشؔ صہبائی تو عاصیؔ کے اُستاد ہیں۔ شاعری کے اِبتدائی سبق اُس نے عرشؔ صاحب سے ہی لیے ہیں۔ وہ عرشؔ صہبائی کی عِزت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ آج وہ جو کُچھ بھی ہے، اپنے اُستادِ محترم کی بدولت ہے۔

عاصیؔ نے اپنی تعلیم، زندگی کی درس گاہ سے حاصل کی ہے۔ کِسی کالج یا یونیورسٹی سے نہیں۔ وہ پنڈت ہے مگر بھگت کبیرؔ کے اِس دوہے کے حوالے سے۔

پوتھی پڑھی پڑھی جگ موا، پنڈت بھیا نہ کوئے
ڈھائی اکشر پریم کے، پڑھے سو پنڈت ہوئے

عاصیؔ نے بھی اڑھائی اکشر پریم کے پڑھے اور اپنی شاعری میں استعمال کیے۔ یہ اور بات ہے کہ یہ پریم اکشر اُسے نجی جیون میں راس نہ آئے۔

عاصیؔ انتہا پسندی، مذہبی جنون، فرقہ پرستی اور ملک میں پھیلی لاقانونیت سے بہت دکھی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اِن مذہبی اور سیاسی ٹھیکیداروں نے ایسے حالات بنا دیے ہیں کہ اچھی سوچ والے بے بس دِکھائی دیتے ہیں۔

جِس سے بڑھ جائیں دِلوں کی دُوریاں
ایسے مذہب کو ہماری بندگی

میں اُن دوستوں کا ممنون ہوں جنہوں نے عاصیؔ کے کلام کو ترتیب دینے اور کمپیوٹرائز کتابت کرانے میں مدد دی۔ اِن میں ریاستی محکمۂ اطلاعات میں تعینات نمائش افسر جناب

کے .ڈی .شرما اور کاتب شری سُدیش کمار اور کمپیوٹر کمپوزر دلیپ کمار شرما صاحب قابلِ ذکر ہیں ۔
میں جناب محمد اقبال کھانڈے صاحب ( آئی .اے .ایس ) ، پرنسپل سیکریٹری وزیرِ اعلیٰ جموں وکشمیر کا بھی شکر گذار ہوں جنہوں نے عاصیؔ کی شاعری کو سراہا اور مُنتخب کلام کو کتابی صورت میں منظرِ عام پر لانے کے لیے اُس کی حوصلہ افزائی کی ۔ جناب خالد کفایت ( مالیرکوٹلہ ) ، ڈاکٹر ایاز رسول نازکی صاحب اور جناب لیاقت جعفری کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے اس کتاب کی آرائش وزیبائش کے لیے قیمتی آراء سے نوازا ۔

آخر میں یہ ذِکر بھی کرتا چلوں کہ کچھ عرصہ پہلے اِس شعری مجموعہ کو عاصیؔ نے ریاستی کلچرل اکادمی کے مالی تعاون سے چھپوانے کی کوشش کی تھی لیکن اُس کے کلام کو غیر معیاری کہہ کر مسودہ عاصیؔ کو لوٹا دیا گیا تھا جس کا مجھے ہمیشہ افسوس رہا ۔

میری نظر میں اگر شاعر کا کلام قارئین اور سامعین کے دِل کو چھوتا ہے تو وہ ایک کامیاب شاعر ہے ۔ پھر بھی عاصیؔ کے کلام کا تجزیہ کیا جانا چاہیے اور اس کے لیے نقاد حضرات کو دعوت دی جاتی ہے کہ وہ عاصیؔ کے کلام کو ادبی معیار پر پرکھیں اور اپنی تعمیری رائے سے نوازیں ۔

لاکھ ہُوں بے وصف لیکن مدّتوں یاد آوٗں گا
مدّتوں دُنیا رہے گی نوحہ خواں میرے لیے — عاصیؔ

☆☆☆

خالد حسین

246 ۔ محلّہ اُستاد ، جمّوں

12-01-2004

# عاصی اور اُس کی شاعری

عاصی صاحب کے پہلے مجموعۂ کلام کا مسودہ میرے سامنے ہے۔ عاصی صاحب کی فرمائش تھی کہ میں اُن کے کلام کے بارے میں کچھ لکھوں، اس ضمن میں مجھے اپنی بے بضاعتی کا احساس ہے۔ میں نہ نقادِ سخن نہ سخن دان۔ سخن فہمی اور سخن سنجی میں بہر حال فرق ہے لیکن ایک مخلص کی ایک معصوم خواہش کا احترام نہ کرنا میرے بس سے باہر ہے اور اسی پاسِ احترام نے مجھے اپنی بے بضاعتی کی تشہیر پر مجبور کر دیا۔

عاصی کم و بیش دس برس سے شعر کہہ رہے ہیں۔ گزشتہ تین برس سے میرا ان کا ساتھ ہے۔ میں نے انہیں ہر رنگ اور ہر حال میں بہت قریب سے دیکھا ہے اور اگر قربت کسی کو سمجھنے اور جاننے کی دلیل ہوسکتی ہے تو مجھے دعویٰ ہے کہ میں عاصی کو بخوبی جانتا ہوں۔ عاصی جتنے مخلص انسان ہیں اتنے ہی حساس اور جذباتی بھی ہیں۔ معمولی سی ٹھیس بھی اُن کے جذبات کو متلاطم اور احساسات کو مجروح کر دیتی ہے۔

عاصی کا بیشتر کلام اُن کے اپنے احساسات و تجربات یا جذبات کا ترجمان ہے۔ شاید اس میں روایت کی نسبت درایت زیادہ ہے۔ روایت کا ذکر آیا تو لگے ہاتھوں یہ ذکر بھی بے محل نہ ہوگا کہ شعر گوئی میں عاصی اُس روایت کے امین ہیں جس کا سلسلہ بہت دور

تک پہونچتا ہے۔ عاصیؔ، عرشؔ صہبائی کے شاگرد ہے، عرشؔ صاحب جوشؔ ملسیانی کے، جوشؔ بقولِ خود داغؔ کے، داغؔ ذوقؔ کے، ذوقؔ شاہ نصیرؔ کے اور شاہ نصیرؔ (ایک روایت کے مطابق) مصحفیؔ کے۔

غزل اُردُو شاعری کی ابتداء سے تعلق رکھتی ہے۔ مصحفیؔ بھی اگر ابتدائی دور سے نہیں تو ابتدائی کے فوراً بعد آنے والے زمانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ مقصد کہنے کا صرف یہ ہے کہ یہ وہ دبستان ہے جس نے ہر زمانہ میں غزل کو نکھارنے، سنوارنے میں وافر حصّہ لیا۔ داغؔ گو خالص غزل کے لیے مشہور ہیں ممکن ہے کہ کچھ لوگ داغؔ کو محض زبان کا شاعر کہیں اور سند میں ''سارے جہاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے'' پیش کر دیں لیکن میرا نظریہ یہ ہے کہ داغؔ خالص غزل اور مُتغزلانہ کیفیات کے شاعر ہیں۔ زبان کے سلسلے میں وہ ذوقؔ سے آگے نہیں گئے اگرچہ زمانہ مابعد میں متروکات کا سلسلہ اُنہی سے چلا۔ عاصیؔ اِس روایت (اپنی تمام تر وسعتوں کے ساتھ) کے امین ہیں مگر اعتدال کے ساتھ۔ اُن کی غزل میں روایت کا خاصہ عنصر موجود ہے مثلاً۔

کون اُٹھا تیری محفل سے
کس کی عمر کا ساغر چھلکا

بزم میں ساقی کی چشمِ مست نے
شرم رکھ لی ایک تشنہ کام کی

رفتہ رفتہ مِٹ رہے ہیں میری بربادی کے نقش
او ستمگر! پھر کوئی تازہ ستم ایجاد ہو

اگر میری ہستی کھٹکتی ہے تجھ کو
تو لے ڈوب جاتا ہوں اے ناخدا لے

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ عاصؔی کی شاعری محض روایتی ہے۔ ان کے کلام کا بیشتر حِصّہ شاہد ہے کہ جو کچھ انہوں نے لکھا ہے وہ محسوس کر کے لکھا ہے۔ بلکہ روایتی اشعار میں بھی اُن کے محسوسات کی جھلک نظر آتی ہے۔ اِن اشعار کو کون روایتی کہہ سکتا ہے۔

حیاتِ مختصر کی کیا کہیں روداد ہم تجھ سے
خلاصہ یہ کہ گزری ہے پریشانی کے عالم میں

آغازِ ملاقات میں کیا جوش تھا دل میں
انجامِ ملاقات نے دل توڑ دیا ہے

ہم کہاں تھے اِس طرح بے ننگ و نام
دوستو گردش ہے صبح و شام کی

ستم آلام محرومی تباہی
میری تقدیر میں کیا کیا نہیں ہے!

عاصؔی کے لہجے میں ایک کسک، ایک کرب کی کیفیت اُبھر آتی ہے اور لہجے کی یہ خستگی انہیں داؔغ اسکول کی نسبت میرؔ کے قریب کر دیتی ہے۔ میرؔ کے لہجے میں خستگی نے ان کے اشعار میں جو نشتریت بھر دی ہے اُس سے ان کی انفرادیت کو جِلا ملی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ

مستقبل میں عاصی بھی اپنے لہجے کی اِس خستگی کی بدولت پہچانے جائیں گے۔

زندگانی جب ہمیں راس آئے گی
دیکھ لینا موت بھی آجائے گی۔

ایک دن ہم خاک میں مل جائیں گے
ہر حقیقت داستاں بن جائے گی

کوئی دم کے مہماں ہیں اے زندگی ہم
جہاں تک تجھے راس آنا ہے آلے

کسی کی بزم تک ہو کیا رسائی
مقدر ہی ہمارا نارسا ہے

میرؔ سے عاصیؔ کی مشابہت کا ایک سبب اور بھی ہے۔ محبوب کی طرف عاصیؔ کا رویہ بھی ویسا ہی ہے جیسا میر کا۔ عاصیؔ کے یہاں بھی کم وبیش وہی خودسپردگی ملتی ہے جو میرؔ کے یہاں ہے۔ میرؔ کے عشق کی صداقت معلوم ہے۔ عاصیؔ کے متعلق، میں تجربہ سے کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن اُن کے عشقیہ اشعار کو دیکھ کر اُن کی صداقت سے انکار ممکن نہیں۔ البتہ ایک بات ضرور ہے عاصیؔ عشق میں کامیاب نہیں ہے۔ غزل میں تو میرؔ کے ہاں بھی اندازہ نہیں ہوتا۔ اُن کی مثنویاں ہم پر اُن کے عشق کی کامیابی کا راز منکشف کرتی ہیں۔ عاصیؔ کے یہاں صرف غزل کے اشعار ہیں۔ یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں اور استعاروں سے اُن کے عشق کی ناکامی صاف جھلکتی ہے۔

اُس کی بلا سے کوئی جیئے یا کوئی مرے
جس کو کسی کے درد کا احساس ہی نہیں
تیری چشمِ کرم کی وہ توجہ ہی نہیں ورنہ
کہاں تھی اِس قدر برہم ہماری زندگی ہم سے

نہ رُسوا اِس طرح کرتے بُلا کر مجھکو محفل میں
اگر پاسِ وفا ہوتا ذرا بھی آپ کے دل میں

مدتیں گزریں کہ دل نے کی تھی اُن کی آرزو
آج تک دشتِ طلب میں ٹھوکریں کھاتا ہوں میں

شاعر کی اپنی ذات ہمیشہ سے اُس کے لیے اہم رہی ہے۔ اِس ذاتی ماحول سے شاعر کے تجربات جنم لیتے ہیں جن کا اظہار وہ شعر میں کرتا ہے۔ عاصیؔ بھی اپنے ماحول سے متاثر ہیں۔ اُن کے جذبات کا تعلق اُن کے ماحول سے گہرا ہے اور یہی جذبات اُس کی شاعری کے لیے مواد فراہم کرتے ہیں۔ جہاں تک اصنافِ سخن کا تعلق ہے اگر چہ عاصیؔ نے بھی مروجہ معنی میں ''جدید'' کی طرف قدم اُٹھانے کی سعی کی ہے لیکن یہ کوشش بذاتِ خود محدود ہے بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ شعر میں عروض کی پابندی خواہ بہت سے لوگوں کے لیے ضروری نہ ہو لیکن عاصیؔ کے لیے ہے اور اِس کے بغیر شعر نثر تو ہوسکتا ہے شعر نہیں۔ لیکن اِس کے ساتھ ہی عاصیؔ نے شاعری کو محض فن، بلکہ فنّی پینترے بازی میں مقید نہیں کیا۔ جیسا کہ جوشؔ اسکول کا خاصہ ہے۔ اُس کا مطالعہ وسیع ہے۔ وہ قدیم و جدید ہردو۲ شعراء کا مطالعہ کرتے ہیں۔ حتی الوسع اُن سے استفادہ بھی کرتے ہیں اور جس نے

کلامِ عاصیؔ کے مختلف ادوار دیکھے ہیں وہ بخوبی جانتا ہے کہ اُن کا فن ترقی کر رہا ہے۔ اُن کے جذبات میں خلوص وصداقت ہے۔ اِسی سے کلام میں اثر پیدا ہوتا ہے۔ اِن کے کلام میں گہرائی کی نسبت گیرائی زیادہ ہے اور یہی اِن کا طرۂ اِمتیاز بھی ہے۔ اِن کے نظریات سے آپ خواہ اِتفاق نہ کریں لیکن ان کے کلام کی تاثیر سے آپ انکار نہیں کر سکتے۔ اور اگر فن کے ساتھ اُن کی یہ لگن اور خلوص اسی طرح برقرار رہا تو مجھے یقین ہے کہ جب وہ اپنا دوسرا مجموعہ ترتیب دیں گے، اُس وقت تک وہ ادبی دُنیا میں اپنے لیے ایک اہم مقام بنا چکے ہوں گے۔

شیام لال کالرا (ڈاکٹر)
(عابدؔ پیشاوری)

# عاصیؔ ''دشتِ طلب'' کے آئینے میں

☆☆☆

''مارکسزم اینڈ پوئٹری'' جیسی شہرۂ آفاق تصنیف میں فن کی تعریف جارج ٹامس یوں کرتے ہیں:

''رقص، موسیقی اور شاعری کے ارتقاء کے خاکے اپنی ابتداء میں ایک ہی تھے۔ اجتماعی محنت میں مصروف انسانی جسموں کو متوازن حرکتوں سے اِن کی ابتداء ہوئی۔ آئندہ اِن حرکتوں کے بھی دو حصّے تھے، ایک جسمانی دوسرا صوتی۔ پہلے حصّے سے ''رقص'' پیدا ہوا اور دوسرے سے ''زبان''۔ محنت کے اسی آہنگ کے مطابق بہم آوازوں نے آگے چل کر ''بول چال اور شاعری'' کی صورتیں اختیار کیں۔ جو آوازیں زبان نے چھوڑ دیں اُن کو ''آواز'' نے اُٹھا لیا اور یہی آوازیں موسیقی کے آلات کی بنیاد بنیں۔ ''شعر'' کی طرف پہلا قدم اُس

وقت اُٹھا گیا جب ''رقص'' کو الگ کر دیا گیا۔ یوں
''گیت'' پیدا ہوا اور گیت میں جو شاعری ہے وہ موسیقی کا
موضوع ہے اور موسیقی شاعری کی ہئیت ہے۔''

اور تخلیق کا یہی جوہر جب انسان کی طرف منتقل ہوا تو وہ ادیب بنا، موسیقار بنا، رقاص بنا اور مصوّر بنا۔

عظیم ماہرِ نفسیات سیگمنڈ فرائڈ نے تحلیلِ نفسی کے اپنے عظیم ترین فلسفے میں بھی اِس بات کا اعتراف کیا ہے کہ فطری طور پر ہر ذی روح تخلیق کے جوہر سے مزیّن ہے لیکن آئندہ اپنے تخلیقی جوہر کو Polished way میں فنونِ لطیفہ کی حدود میں پہنچانے والا شخص ہی ایک فنکار ہے۔ ہر کوئی نہیں۔

''پنڈت ودیارتن عاصیؔ'' ایک تخلیق کار، ایک فنکار، ایک شاعر،

آج سے چند برس قبل تک اُن کا تعارف میرے لیے محض اِتنا تھا کہ یہ ہمارے دوست اور محسن خالد حسین کے ہمعصر بھی ہیں اور ہمنوا بھی۔

خالد حسین جب ایک معتبر افسانہ نویس بننے کے مدتوں بعد ہمارے سرحدی علاقے میں بحیثیتِ ضلع ترقیاتی کمشنر پونچھ وارد ہوئے تو اُن سے قبل'' بیڑے کی لنکا'' اور ''اشتہاروں والی حویلی'' کے متنازعہ معرکے ہم تک پہنچ چکے تھے! اور ادبی مزاج سے نہایت پُر اعتبار علاقے، پونچھ میں اُن کی آمد بالخصوص میرے اور میرے علاوہ دیگر اُن تمام دوستوں کے لیے مژدۂ جاں فزا تھی جو خالد کو جانتے تھے!

خیر، محفلیں آراستہ ہوئیں، ادبی نشستوں کا اہتمام ہونے لگا اور بشیر بدؔر اور ندؔا فاضلی جیسے لوگ پونچھ تک پہنچنے لگے۔

اِنہی دنوں پونچھ کی ایک سرمئی شام کے دھندلکے میں چائے کے مرغولے اُگلتی

پیالیوں کے دھوئیں کو چیرتے ہوئی خالد کے پنجابی لہجے میں خالص اُردو کے یہ دو مصرعے جب ہماری سماعتوں سے ٹکرائے تو بربس ہی تمام دوستوں کے منہ سے 'واہ واہ' کا دل آویز نعرہ بلند ہوگیا۔

غلط سے دلیلیں، غلط سب حوالے
اندھیرے اندھیرے، اُجالے اُجالے

اور پھر، ایک سلسلہ چل پڑا۔ آئے روز ودیا رتن عاصیؔ کے اشعار کو سُننے کا اور سر دُھننے کا! سونے پہ سہاگہ یہ کہ، خالد حسین کو عاصیؔ کا شعر ہی یاد نہیں ہوتا، بلکہ غزلوں کی غزلیں ازبر ہوتیں!

عاصیؔ مندروں کے شہر جموں کا نواسی ہے۔ جموں ہماری ریاست کی ایک جانب کا وہ سنگلاخ خطہ ہے جہاں صحیح معنوں میں شعروادب کے لیے شاید کبھی بھی فضا سازگار نہ رہی ہو لیکن پھر بھی وقتاً فوقتاً مجموعی ادبی اور ثقافتی ذخیرے میں اِس خطے کی امداد بھی کشمیر کے سبزہ زاروں کے مقابلے نہایت موزوں اور قابلِ قدر رہی ہے۔

''اُردو شاعری کا مزاج'' میں ڈاکٹر وزیر آغا رقمطراز ہیں:

''کسی بھی زبان کی شاعری کا مطالعہ اِس بات کا متقاضی ہے کہ پہلے اُس تہذیبی اور ثقافتی پس منظر کا جائزہ بھی لیا جائے جس میں اُس زبان اور اُس کی شاعری نے جنم لیا ہو۔''

عاصیؔ کی شاعری نے جنم تو جموں اور اس کے گردونواح کے علاقوں میں ہی لیا لیکن زبان کبھی بھی لکھنوی اور دہلوی لہجے کے قریب نہ رہی، اُن کی زبان اور اُن کے اُردو لہجے میں وہ پنجابی آہنگ ضرور ملے گا جو دُنیا کے اِس طرف کے خطّے کی اکثر بولیوں اور

زبانوں کو فطری طور پر چھوتا چلا گیا ہے۔

ریاست جموں وکشمیر کے تہذیبی ارتقاء میں ڈوگرہ شاہی کا وہی رول ہے جو ہندوستان کے مجموعی ارتقاء میں مغلوں کا بنتا ہے۔ اِس زریں عہد کی پاٹھ شالاؤں، سبھاؤں، مدارس اور مکاتب کی فارسی، سنسکرت، ہندی اور اُردو کی روایات نے صدیوں تک کے لیے ایک ایسی مشترکہ تہذیب اور نہج کو عوام میں منتقل کردیا ہے کہ ہر عہد میں اِن پہاڑوں اور ریگزاروں سے ایسے لعل وجواہر پنپتے رہے جنھوں نے جموں کے خطّے کو عالمی پیمانے پر قدر ومنزلت نوازی!

استاد بسم اللہ خان اور ملکہ پکھراج جیسے عہد ساز اداروں سے لے کر پنڈت شوکمار شرما تک، کرشن چندر اور چراغ حسن حسرتؔ سے لے کر کندن لعل سہگل تک۔ ذخائر کا لامتناہی سلسلہ ہے جس نے اِس خطّے کی تہذیب، ثقافت اور ادبی فضا میں ایک تحرک بنائے رکھا۔

لیکن اِن شاہکاروں کے پس منظر کے باوجود بالخصوص شعر وادب کے حوالے سے کبھی بھی یہاں سے آفاقی School of thought کا جنم ہوا ہو؟ یہ بات دعوے کے ساتھ نہیں کہی جاسکتی!۔

اِس لحاظ سے دیکھیں تو جموں اُس ٹھہرے ہوئے شہر کی علامت ہے جس نے موجود اور میسر عوامل اور حالات کے پیشِ نظر ہی اپنی ایک منفرد تہذیب اختراع کی ہے۔

وزیر آغا کے ہی بقول:

''ٹھہرا ہوا انسان پودے کی طرح زمین سے بری طرح
وابستہ ہوجاتا ہے اور پودے ہی کی طرح اپنے گرد
خاندان قبیلے، قوم اور وطن کا ایک جال سا بُن لیتا ہے۔''

بہر حال مشترکہ تہذیب سے پنپی اِن روایات کا پروردہ یہ شہر اپنا خاندان بھی رکھتا

ہے، اپنا قبیلہ، قوم اور وطن بھی ! جس کی اپنی ایک منفرد تہذیب بھی ہے، تاریخ بھی اور ثقافت بھی !

آیئے ، ودیا رتن عاصیؔ کا ذکر ہو اور ''دشتِ طلب'' کے اُس پس منظر کے حوالے سے جہاں اُن کی ذات ہی اُن کی کائنات بھی ہے اور اُن کی حیات بھی !

ترقی پسندیت میں جب ''ادب کیسا ہو''؟ کے عنوان کے تحت پہلی مرتبہ دُنیا میں ایک ایجنڈا طے کیا گیا تو شکست و ریخت کا وہ سلسلہ چل پڑا کہ ادب کی مجموعی صورتِ حال اور تاریخ ہی بدل کے رہ گئی۔

مشہور افسانہ نویس جوگندر پال ''ترقی پسند فکر اور افسانہ'' کے عنوان کے تحت اپنے ایک مقالے میں لکھتے ہیں :

> ''ادب کے تقاضے محض تلقین کے فرائض ادا کرنے سے پورے نہیں ہو جاتے۔ ادبی قدروں کو تو میٹھے جھیل کی کہانیوں میں بسانا ہوتا ہے۔ اِسی لحاظ سے ادب کو ارتکاب سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ کوئی بھی بڑی تخلیق صرف اِس معنی میں اپنے لکھنے والے کی کمٹ منٹ کی آئینہ دار ہوتی ہے کہ جینا بذاتِ خود ایک کمٹ منٹ ہے۔ کسی عام تخلیق کار کے لیے بھی یہی کافی ہے کہ وہ زندگی کی پائندگی کا طلبگار رہو۔''

اِسی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے ۱۹۳۹ء کی اپنی ایک شعلہ انگیز تحریر میں ترقی پسندیت کے علم بردار سجاد ظہیرؔ نے لکھا تھا :

''شاعر کا پہلا کام شاعری ہے، وعظ دینا نہیں، اشتراکیت و

انقلاب کے اصول سمجھانا نہیں۔ اصول سمجھنے کے لیے کتابیں موجود ہیں۔ اِس کے لیے ہمیں نظمیں نہیں چاہئیں۔ شاعر کا تعلق جذبات کی دنیا سے ہے۔ اگر وہ اپنے تمام ساز و سامان، تمام رنگ و بُو، تمام ترنم و موسیقی کو پوری طرح کام میں نہیں لائے گا، فن کے اعتبار سے اُس میں بھونڈا پن ہوگا۔ وہ ہمارے احساسات کو لطافت کے ساتھ بیدار کرنے سے قاصر ہوگا تو اچھے سے اچھے خیال کا بھی وہی حشر ہوگا جو دانے کا بنجر زمین میں ہوتا ہے۔''

میں عاصیؔ کو جوگندر پال اور سجاد ظہیر کے انہی اقوال کے پیشِ نظر دیکھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ کیوں کہ عاصیؔ کی شاعری میں نہ تو تلقین، آرڈر اور وعظ کی کارفرمائی ہے نہ وہ سماج کا رُخ بدلنے کا دعویٰ کر رہے ہیں۔

عاصیؔ کی تمام زندگی اپنے فن کے تئیں کمٹ منٹ کی آئینہ دار بھی ہے اور زندگی کی پائندگی کے طلبگار بھی۔ اِس بات کا ثبوت خالد حسین اور برج نندن جیسا عاصیؔ کا ہر وہ دوست پیش کرسکتا ہے جس نے عاصیؔ کی زندگی بھرپور طریقے سے جی ہے۔

اِس شخص کا کام صرف شاعری تھا اور اِس نے جم کر شاعری کی اور مسلسل شاعری کی۔ عاصیؔ کی شاعری تمام تر جذبات کی نفسیات کی آئینہ دار ہے۔ سو عاصیؔ کی شاعری میں رنگ و بُو بھی ہے، ترنم و موسیقی بھی، فن کا اعتبار بھی اور احساسات کی لطافت بھی، جس کی طرف سجاد ظہیر نے اِشارہ کیا ہے۔ اِسی لیے خیال کا دانا جب بھی اِس زمین کی تہہ میں اُترتا ہے گُل بوٹے لے کر نکلتا ہے۔

حسین اشعار، رنگین اشعار، مترنم اشعار اور خوشبودار اشعار

یہ بھی جینے میں کوئی جینا ہے؟
روز مرنا، کبھی کبھی جینا

میں موسیٰ نہیں ہوں مگر پھر بھی عاصیؔ
تجھے اِک نظر دیکھنا چاہتا ہوں

ہم سفر ہوں گے تو بچھڑیں گے ضرور
اس لیے اِک اِک سفر تنہا کرو

جانے کس وقت ہو اندر کے سفر کا آغاز
جانے کب ختم ہوں باہر کی یہ دوڑیں اپنی
نا خداؤں کی پہچان ہونے تو دو
لوگ خود کشتیوں سے اُتر جائیں گے

عاصیؔ پہلے روز سے شاعر تھا۔ عاصیؔ تمام عمر ویسا ہی رہا جیسا وہ پہلے روز تھا۔ جموں میں تھیٹر کی تاریخ کے ایک معتبر اور معروف نام کوی رتن جی کی زبانی سُنا یہ واقعہ ہی عاصیؔ کی تمام زندگی کا خلاصہ پیش کر دیتا ہے۔

''بات غالباً ۱۹۵۶ء کی ہے۔ عاصیؔ ۱۸۔۲۰ سال کے رہے ہوں گے۔ وہ میرے ساتھ تھیٹر کر رہے تھے۔ سین یہ تھا کہ ودیا رتن نے رونا ہے اور روتے ہوئے مکالمے ادا کرنے ہیں۔ میں بھر پور کوشش کرتا ہوں مگر کیفیت نہیں بن پاتی۔ ودیا رتن رو ہی نہیں پاتا۔ میں نے سوال کیا کہ ودیا رتن تم نے کسی کو روتے ہوئے نہیں دیکھا ہے؟ اُس نے کہا ہاں! میں نے کہا

بس ویسے ہی، تو ودیا نے جو جواب دیا ہے اُس نے تھیٹر کے تئیں میرا نظریہ ہی بدل دیا:

''کوی رتن جی جب میں بولتا ہوں تب میں رو نہیں پاتا اور

جب میں رویا ہوں تب میں بول نہیں پایا۔''

ودیا رتن عاصیؔ مسلسل غزل کی زد پہ ٹکا ہوا ایک ایسا نشانہ ہے جس کو کسی اور شعری صنف کا تیر چھوُتا ہی نہیں! عاصیؔ کے ہاں جب بھی ہوتا ہے شعر ہوتا ہے اور جب بھی بنتی ہے غزل بنتی ہے۔

غزل کی زلفیں سنوارنے والے اِس جوگی کی طبعیت میں کلاسیکیت اور روایتی لہجے کا اتنا زیادہ عمل دخل ہے کہ اُس کا جدید تر اسلوب بھی ایک عجب سا روایتی، شاہانہ طمطراق لیے ہوئے ہے۔

غلط سب دلیلیں، غلط سب حوالے
اندھیرے اندھیرے، اُجالے اُجالے

کیا طرفہ قیامت ہے مری وجہٗ تباہی
وہ پوچھتے ہیں اور مجھے یاد نہیں ہے

اِک وہ عالم کہ تری یاد سے فرصت ہی نہ تھی
اِک یہ عالم کہ تیری یاد بھی کم آتی ہے

جب محبت جان تھی ایمان تھی وہ دن گئے
اب محبت کے تصور سے بھی گھبراتا ہوں میں

مشہور روسی مصنف P. Trafimov ''فطرت، سوسائٹی اور فن'' کے موضوع پر اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جب کسی فرد کی تصویر کشی فن پارے میں ہوتی ہے تو اُس کے فطری اور معاشرتی عناصر یک جہتی اختیار کر لیتے ہیں۔ اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فرد بیک وقت فطرت اور سماج دونوں میں رہتا ہے۔ عصرِ حاضر کا سماج بھی قدیم کی ہی طرح فطرت سے ہم آہنگ ہے۔ فنکار اِسی فطرت آفرینی میں رنگ آمیزی کرتا رہتا ہے۔''

کیسے ممکن تھا کہ عاصیؔ جیسے حساس شاعر کا فن بھی فطرت اور سوسائٹی کی اُس طرف کی کوئی ایسی روداد بنا رہتا جس کو بعد ازاں کسی بھی عہد کا مؤرخ مجزوب کی بڑ کہنے کی ہمت کر گزرتا۔ سو عاصیؔ کے ہاں بھی شعروں میں اپنا ایک مخصوص سماج ہے، ایک روایت ہے اور ایک معاشرت۔

جنوں کی حدیں پھاندنا چاہتا ہوں
بہت سو چکا، جاگنا چاہتا ہوں

تمہارے چاہنے والے تو ہم ہیں
کسے سولی چڑھایا جا رہا ہے؟

کون جانے کہاں یہ لے جائے
آب و دانہ نظر نہیں آتا

سِتم، آلام، محرومی، تباہی
مری تقدیر میں کیا کیا نہیں ہے

عاصیؔ کی ذاتی شخصیت کا اینٹ گارا بھی اُن کے فنّی قد کی قدر و منزلت میں ایک اہم رول ادا کرتا ہے۔ جس کسی نے بھی عاصیؔ کو دیکھا ہے عاصیؔ کو سُنا ہے یا پھر عاصیؔ کو جیا ہے وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ عاصیؔ ایک ایسے خوش اخلاق بندے کا نام ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے بظاہر و باطن ہر دو۲ صورت میں خوبصورت ترین بنا کر ہم پر منکشف کیا ہے۔ عاصیؔ کی طبعیت میں سالہا سال کی شکست و ریخت کے بعد ایک ایسا ٹھہراؤ آ گیا ہے کہ اب وہ بہت کم بات کرتا ہے۔ وہ صرف شعر کہتا ہے اور وہ بھی متواتر۔ برسہا برس کی اُس کی خاموشیوں کا یہ عذاب اُس کی روشن اور چمکدار آنکھوں میں اُتر آیا ہے۔ اُس کی آنکھیں بول رہی ہوتی ہیں اور وہ چپ ہوتا ہے! میری ذاتی رائے ہے کہ زمانوں پر پھیلے ہوئے اِس مشاہدے نے عاصیؔ کے شعور کو اتنا بالیدہ اور حساس بنا دیا ہے کہ اب وہ بات ہی نہیں کرتا۔ بلکہ وہ اپنے چاروں طرف پھیلے ہر منظر کو Observe کرتا ہے۔ ہر اندھیرے اُجالے، ہر سیاہ و سفید کو اپنی لاشعور کی تہوں میں اُتارتا ہے یا پھر خود اُس کی گہرائیوں میں اُترتا چلا جاتا ہے اور جب یہ سحر اُس کو چھوڑتا ہے تو وہ شعر لکھ رہا ہوتا ہے۔ خوبصورت شعر، پُر مغز شعر اور پُر کیف شعر۔

اب یہ عالم ہے کہ اِک دوجے کو سُن لیتے ہیں
اور خاموش بھی رکھتے ہیں زبانیں اپنی

کیا پوچھتے ہو عشق مرے حق میں کیا ہوا
آفت ہوا، عذاب ہوا، اِک بلا ہوا

عاصیؔ کی تقریباً تمام غزلوں میں اٹھان ، مزاج ، کیفیت اور جذبے کا تحرک ایک سا ہے۔ جہاں اُن کا یہ لہجہ اُن کے اسلوب کی انفرادیت کا غماز بنتا ہے وہیں مسلسل ہر غزل میں ایک ہی Mode کی کارفرمائی کہیں کہیں اکھرتی بھی ہے۔

دیکھا جائے تو عاصیؔ کی یہ غزلیں غالباً ۴۰۔۳۰ برس پر پھیلی ہوئی ہیں لیکن کہیں بھی یہ نہیں لگتا کہ عاصیؔ نے کبھی کسی عہد میں کوئی قابلِ قدر U-Turn لیا ہے جب کہ عاصیؔ کی زندگی کے یہی ۴۰۔۳۰ برس جدید ادبی منظر نامے میں اُتھل پُتھل اور تجربات کا تاریخ ساز دورانیہ رہے ہیں۔ اِس عہد میں ترقی پسندیت ، کلاسیکیت اور روایت جہاں رواج سے باہر کی شے ہوتے جا رہے تھے وہیں جدیدیت ، مابعد جدیدیت ، تجریدیت ، لایعنیت اور ساختیات و پس ساختیات کی بحث چھڑی ہوئی تھی۔

حیرانگی کا عالم ہے کہ اِن فیصلہ کُن ادوار میں بھی عاصیؔ کا لہجہ جیوں کا تیوں رہا۔ یہ بات مثبت اور منفی دونوں پہلوؤں سے قبولی جا سکتی ہے۔ مثبت پہلو یہ کہ عاصیؔ کی ادبی پرداخت ، روایت اور Class کے حوالے سے اتنی موزوں تھیں کہ اُن پہ اِن تحاریک اور رجحانات کا خاطر خواہ اثر نہ ہوا اور منفی پہلو یہ کہ ہم بغور مطالعے کے باوجود جب اِن رجحانات اور تحاریک کی کارفرمائی کو عاصیؔ کے اشعار میں مفقود پاتے ہیں تو ہمیں عاصیؔ کی کُل شاعری کے مجموعی تاثر پر سوالیہ نشان لگانا پڑتا ہے۔

کبھی کبھار عاصیؔ نے ایک آدھ نثری نظم یا پھر آزاد غزل کا تجربہ بھی ضرور کیا ہے لیکن یہ تجربہ ایک کوشش سے زیادہ اور کچھ بھی نہیں ہے۔

بہرحال آنے والی نسل کو عاصیؔ کا تجزیہ جب بھی کرنا ہوگا وہ اُن کی غزل کو ہی حوالہ بنا کے کرنا ہوگا اور غزل ہی عاصیؔ کا اثاثہ بھی ہے اور اُس کی شناخت بھی۔

تمام شاعری میں مانوس سے ایک لہجے کی اِسی مسلسل کھنک کو اپنی سماعتوں کو مہمیز

کرتے ہوئے جہاں ہم دیکھنے پر مجبور ہیں وہیں اِس بات کا اعتراف کرنا بھی ضروری ہو گیا ہے کہ عاصیؔ کی تمام شاعری میں اُن کی اپنی ذات ایک مضبوط اِکائی کے طور پر کچھ یوں رچی بسی ہے کہ ہم شاعر کی ذاتی زندگی کے تحرکات اور رجحانات کو اُس کے تخلیقی کرب سے علاحدہ کر کے دیکھ ہی نہیں سکتے۔

حالانکہ ماضی میں یہ حادثہ میرؔ اور بعد ازاں کہیں مجازؔ اور میراجیؔ کے ساتھ بھی وابستہ رہ چکا ہے لیکن اپنے پیش رووٴں کی ہی طرح عاصیؔ بھی اپنے انفرادی غم کو کائناتی غم سے تعبیر کرنے میں مکمل طور پر کامیاب رہے ہیں۔ اِن کی ذات کا المیہ اُن کے اشعار کے موضوع کو اتنا وسیع بنا دیتا ہے کہ عاصیؔ ہر اُس شخص کی نمائندگی کا فرض ادا کرنے لگتا ہے جو حوادثِ روزگار سے بدستور نبرد آزما ہے۔ (بغیر کسی زمانے اور عہد کی قید کے تصور کے)

مدت سے دربدر ہوں عرصہ سے کُو بہ کُو ہوں
کوئی نہیں ہے میرا اِس دورِ بے حسی میں
رنج و الم کی یورش ، جورو سِتم کی بارش
کیا کیا مصیبتیں ہیں دو دِن کی زندگی میں

نہ اب وہ ولولے باقی نہ اب وہ حوصلے دِل میں
مرا ہونا نہ ہونا ایک ہے دُنیا کی محفل میں

ابھی کوئی سِتم ٹوٹا ابھی کوئی بلا ٹوٹی
رہا جب تک میں زندہ بس یہی خدشہ رہا دِل میں

یہ بھی نہیں ہے کہ عاصیؔ اپنی زندگی کی کوفت اور گھٹن کو تمام زمانے پہ لادنے کی ٹھان بیٹھے

ہیں بلکہ کبھی کبھار تو اُن کا یہ غم اِس قدر Individual اور ذاتی ہو جاتا ہے کہ وہ شعر عاصیؔ کی پرائیویٹ زندگی بن جاتا ہے۔ ایک ایسا علاقہ، جہاں چہار دیواری کے باہر ایک بہت بڑا بورڈ لگا ہوا ہے اور جس پر جلی حروف سے کندہ ہے "NO ENTRY"۔

کہاں رہتے ہو عاصیؔ آج کل تم
کئی دن سے تمہیں دیکھا نہیں ہے

اور ایسا بھی نہیں ہے کہ عاصیؔ آلامِ روزگار اور حوادثِ زماں کی نیرنگیوں سے اس قدر ٹوٹ چکا ہے کہ اب اُس کا سنبھلنا مشکل! بلکہ جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ عاصیؔ کا یہ غم اُس کی ذاتی چیز ہے اور جب جب شاعر کو بہ حیثیتِ شاعر اُس کے اجتماعی اور سماجی فرائض کا احساس ہوا ہے اُس نے اپنی ڈیوٹی سے روگردانی نہیں کی ہے۔ البتہ جیسا کہ عاصیؔ کا اسلوب ہے اور اُس کی تخلیق کا خاصا کہ ایسے لمحوں میں بھی اُن کا لہجہ روایتی بلکہ ترقی پسند تحریک والے پیغامی آہنگ کی بازگشت سا لگتا ہے۔ منشی پریم چند کے ترقی پسندیوں کے لیے بنائے ادبی ایجنڈے کی ہی گونج عاصیؔ کے ہاں بھی سُنائی دیتی ہے۔ جہاں تخلیق کار کا ایک ایک لفظ اور ایک ایک نقطہ اور شوشہ مقصدی اور اصلاحی ہونا شرطِ اوّل ہے لیکن یہاں بھی عاصیؔ کی تعریف کرنی ہوگی کہ اُن کا پیغام ''نعرے بازی'' کی فضا سے بچتے بچاتے ہم تک پہنچا ہے۔

کسی کے رنج و غم میں جو بشر شامل نہیں ہوتا
وہ دنیا میں کبھی تعظیم کے قابل نہیں ہوتا

چھٹے زنداں سے شائد تیرے قیدی
بگولے اٹھے ہیں ہر رہگزر سے

تلاطم خیز موجوں سے گزر جا
لبِ ساحل کھڑا کیا سوچتا ہے

یہی معراج ہے خود آگہی کی
نہ دل توڑو زمانے میں کسی کا

اے کہ مردوں کو پوجتے ہو تم
کاش زندوں کا ذکر ہی کرتے

گردشِ دوراں کو سمجھا دیجیے
ہم سے اُلجھے گی تو منہہ کی کھائے گی

بقول خالد حسین عاصیؔ کے پُر آشوب ایاّم میں آشا کی ایک کرن کبھی دبے پاؤں عاصیؔ کے دل کے آنگن میں اُتر چکی ہے۔ لیکن خالد حسین لکھتے ہیں کہ ''عاصیؔ کی آسیب زدہ زندگی میں اُجالا کرنے والی ایک کرن اُس کے ساتھ چند ہی قدم چلی۔''
چند ہی قدم چلنے والی یہ کرن اگر عاصیؔ کے کلام میں ڈھونڈی جائے تو یہ قدم قدم پر موجود ہے۔ ویسے تو یہ ممکن ہی نہ تھا کہ کوئی شاعر غزل لکھے اور غزل کے سب سے بڑے موضوع سے دامن بچا کر نکل لے۔ سو عاصیؔ کے اشعار میں بھی ہمیں نہایت طمطراق کے ساتھ ایک ایسے چہرے کی رُوداد ضرور ملتی ہے جس نے عاصیؔ کی تمام شخصیت کو اپنے احاطہ میں لیے رکھا ہے۔
یہاں بھی اپنے منفرد اور معتبر اسلوب کے ہی تحت عاصیؔ کا یہ کردار اُس کا اپنا

ذاتی اور مخصوص کردار نہ رہ کر ہر کسی کا محبوب بن جاتا ہے!

ہمیں جان و دل سے وہ اپنا بنا لے
مگر ہم کہاں ایسی تقدیر والے

اُنکی تسلیاں نہ کسی کام آسکیں
مجھکو بچا سکے نہ مرے غمگسار لوگ

جب اُن کی یاد آئی بے اختیار روئے
دل بار بار دھڑکا ہم بار بار روئے

تمہارے چاہنے والے تو ہم ہیں
کسے سُولی چڑھایا جارہا ہے

اِس بات سے ظاہر ہی تمہی ایک خدا ہو
ہم ورنہ کسی اور کے در کیوں نہیں جاتے

خمریات بھی روایتی غزل کا ایک بہت اہم موضوع رہا ہے۔ اگر چہ اب جدید اور مابعد جدید عہد کی تجرباتی غزل میں شراب اور گُل وبُلبل کا قِصّہ سِرے سے مفقود ہے۔ ایسے میں کسی ایسے شعری مجموعے کی آمد جس میں یہ فضا ابھی بھی باقی ہو حیرانگی کی جا ہے۔

بسا اوقات ہم نے میکدے کے در پہ دستک دی
طبعیت جب کسی صورت نہ بہلائی گئی ہم سے

آج دھومیں مچالیں سرِ میکدہ
کون جانے کہاں ہونگے کل دوستو

ہم تشنہ دہن بیٹھے ہیں میخانے میں عاصیؔ
اُمڈی ہوئی برسات نے دل توڑ دیا ہے

مٹ نہ پائیں زندگی کی تلخیاں
بادہ نوشی ہم نے گو ہر شام کی

کون جانے کیا ہو پھر توبہ کا حشر
میکدے پر جب گھٹا گھِر آئے گی

عاصیؔ کے لہجے کی ایک بہت بڑی خوبی اُس کی سادگی ہے۔ اُن کے اشعار کی فضا کچھ اتنی سہل، آسان اور عام فہم ہے کہ عاصیؔ کہیں بھی اپنے تخیل کے ساتھ زبردستی کرتا ہوا محسوس نہیں ہوتا۔ آورد کے بجائے آمد کا دخل عاصیؔ کے ہاں اتنا مناسب اور متوازن ہے کہ اُن کی تقریباً تمام شاعری ایک معتبر 'عوامی لہجہ' لگتی ہے اور اُن کا یہی طرزِ تحریر انہیں ایک آسان اور سادہ شاعر بناتا ہے۔

جہاں تک میں نے دیکھا ہے ذاتی طور پر بھی عاصیؔ کوئی برگزیدہ دانشور اور فلسفی معلوم نہیں پڑتے۔ منطق بگھارنا اور تعلیل و تاویل کے صحرا طے کرنا نہ تو عاصیؔ کے مزاج سے مطابقت رکھتے ہیں اور نہ ہی اُن کی شعر کی روح کو مجروح کرنے پہ قادر ہیں۔ عاصیؔ کی ذاتی زندگی کا یہی حسن اور اُن کی طبیعت کا یہی خلوص اُن کے اشعار میں

بھی اُتر آیا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ شاعر باتیں کر رہا ہے اور وہ شعر ہوتے جا رہے ہیں، نہایت سہل، نہایت آسان، نہایت موزوں۔

دنیا کس کو راس آئی ہے
کس کو راس آئے گی دنیا

حقیقت میں اُنہی کو زندگانی راس آتی ہے
وہ جنکے واسطے مرنا کوئی مشکل نہیں ہوتا

آپ زندہ ہو کس طرح عاصیؔ
دوست اکثر سوال کرتے ہیں

اِسقدر خاموشیاں اچھی نہیں
لوگ کیا سوچیں گے، کچھ سوچا کرو

مرے حاسدوں کو یہ کیا ہو گیا ہے
یہ ہمدردیاں؟ جاننا چاہتا ہوں

عشق میں تم گھر بار لٹائے بیٹھے ہو
لیکن میں؟ میرا تو کوئی گھر بار نہیں

ایسا بھی نہیں ہے کہ عاصیؔ کی شرافت ہمیشہ اُس کے آڑے آئی ہے۔ کئی بار اشعار

کا لہجہ اتنا کرخت اور شاعر کی طبعیت اتنی باغیانہ ہوگئی ہے کہ عاصؔی کے نرم و گداز شعروں کو سُننے اور سمجھنے والوں کی بھی نبضیں ٹھہر نے لگتی ہیں اور وہ بھی عاصؔی کے اِس عارضی جوش اور ولولے کا ہمنوا بن جاتا ہے۔

ہم ہیں طوفانِ حوادث سے گزرنے والے
ہم نہیں موجِ بلا خیز سے ڈرنے والے

تلاطم خیز موجوں سے گزر جا
لبِ ساحل کھڑا کیا سوچتا ہے

جس قدر برباد ہونا تھا مجھے، میں ہولیا
جس قدر تھی میری قسمت میں مصیبت، دیکھ لی

رفتہ رفتہ مِٹ رہے ہیں میری بربادی کے نقش
اے ستمگر پھر کوئی تازہ ستم ایجاد ہو

لیکن یہاں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ عاصؔی کی طبعیت میں بغاوت، جہاد، سر بلندی اور سرکوبی کے یہ معاملات شاید سرے سے مفقود ہیں۔ اِس لیے عاصؔی کا یہ لہجہ نہایت وقتی غبار بن کے رہ جاتا ہے۔ اُن کے ہاں دعوے کی یہ گونج بجائے جوشؔ ملیح آبادی کے شاہانہ لہجے کو اِختیار کرنے کے، فیض احمد فیضؔ کے ادب و خلوص کا رُجحان اِختیار کر لیتی ہے۔ عاصؔی کا یہ لہجہ اُن کی تمام شاعری میں اتنا کم ہے کہ ہم عاصؔی کے اِس عنصر کو اُس کی شاعری کے اِمتیازی نشانات میں شاید شامل کرنے سے قاصر ہوں!

عاصؔی کی تمام شاعری میں عاصؔی بذاتِ خود کچھ اتنا زیادہ موجود ہے کہ اُن کی تمام شاعری ''میں، میرے، ہم، مجھے اور میرا'' کا مسلسل repitation لگتی ہے! بہر حال یہ کوئی شعری عیب نہیں ہے بلکہ اُن کی ذات کی بات بات میں شمولیت اِس امر کی دلیل ہے کہ عاصؔی تمام عمر اپنے ہی مقابلے پہ کھڑے رہے۔ یوں لگتا ہے کہ وہ مسلسل خود سے ہی نبرد آزما ہیں اور خود سے ہی مخاطب بھی!

ہمالہ کی سر بلند چوٹی کو پہلی مرتبہ سر کرنے والے سر ایڈمنڈ ہیلری نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ ہمالیہ کا وہ سفر دراصل ہمالہ کو سر کرنے کی کوشش نہ تھا بلکہ اِس بات کی تحقیق کرنا تھا کہ ہم اپنے عزم اور حوصلے کے ساتھ کتنا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ اور شاید یہی معاملہ عاصؔی کے ساتھ بھی ہے۔ اُن کی تمام شاعری نہ صرف اُن کی روزمرہ زندگی کی رُوداد اور دستاویز بنتی چلی گئی ہے بلکہ اِس کتاب کے اِنتساب کی ہی صورت وہ مسلسل اپنے دلِ حساس کی تقلید کرنے پر مجبور نظر آتے ہیں۔ اُن کے حوادث اُن، کے تجربات، اُن کے معاملات، اُن کی خوشیاں، غم، آنسو، تبسم، مایوسیاں، اُمیدیں اور خواہشات یوں اُن کے چاروں سمت احاطہ کیے ہیں کہ وہ جب بھی بات کا آغاز کرتے ہیں، میں سے اور مجھ سے کرتے ہیں۔ لیکن یہاں یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ یہ ''میں اور میرے'' کی تکرار کسی ایک مخصوص فرد کا المیہ اور روزنامچہ نہیں بنتا بلکہ آفاقی حیثیت اِختیار کرتا چلا جاتا ہے۔

مری مانے تو مانے کیا مرا دل
یہ کافرِ آپ کے زیرِ اثر ہے

مجھکو ہر سمت نظر آتا ہے جلوہ اپنا
اب تو جس سمت بھی اُٹھتی ہیں نگاہیں اپنی

جیسے ماحول میں جیے ہم لوگ
آپ ہوتے تو خودکشی کرتے

اِتنے ہی اگر تنگ ہو اِس شہر سے عاصیؔ
چپکے سے کسی دُور نگر کیوں نہیں جاتے

تیر کر نہ سہی ڈوب کر ہی سہی
دیکھنا پار ہم بھی اُتر جائیں گے

مدت سے کریدے بھی نہیں یاد کسی کی
پھر زخم میرے سینے کے بھر کیوں نہیں جاتے؟

مشہور نقاد محمود ہاشمی ''جدیدیت تجزیہ وتفہیم'' میں لکھتے ہیں:

''نیا تخلیقی تصور کسی پُرانی قدر سے مستعار نہیں لیا گیا ہے بلکہ کھیتوں میں پیدا ہوا ہے جو علم وفن کی انتہائی ترقی کے زمانے میں بنجر رہ گئے تھے لیکن نئی عقلی اور فنی فصل کا بیج اِن بنجر کھیتوں میں ہی پوشیدہ تھا۔''

پنڈت ودیا رتن عاصیؔ کی شاعری بھی مندرجہ بالا سطروں کی ہی تشریح ہے۔ اُن کے ہاں بھی اگرچہ روایت کا دل آویز آہنگ پوشیدہ ہے لیکن اپنے عصری دلائل واستدلال نے اُن کے اسلوب کو (جس عہد میں وہ جیتے ہیں) اُس کے ساتھ کچھ یوں ہم آہنگ کر دیا ہے کہ وہ نہایت Updated لگتے ہیں۔ بے شک ادب کی اِنتہائی ترقی کا

پس منظر جب (میرؔ، غالبؔ، اقبالؔ ہو چکے) اِتنا عروج پا چکا ہے کہ اب زیادہ سے زیادہ فیضؔ، جوشؔ، کیفیؔ، سردارؔ جعفری یا پھر ظفر اقبالؔ، شہریارؔ، مجروحؔ، بدرؔ، قتیلؔ، فرازؔ اور ندؔا فاضلی وغیرہ کے امکانات ہی باقی بچتے ہیں۔ لیکن محمود ہاشمی کے بقول نئی عقلی اور فنی فصل کا بیج اِن بنجر کھیتوں میں ہی پوشیدہ ہے۔ سو اگر ہم اِس نظریے کے پیش نظر عاصیؔ کے عہد اور خطے کی شاعری دیکھیں تو یہ لوگ ہمارے پاس 'غنیمت سے کم' کچھ بھی نہیں ہیں۔ اور بالخصوص جب ہم ریاست جموں و کشمیر کے ادبی منظرنامے پہ نگاہ دوڑائیں تو ہم دیکھیں گے کہ اُردو کے حوالے سے اور بالخصوص اُردو شاعری کے حوالے سے یوں بھی ہماری ریاست کا ٹریک ریکارڈ کوئی شاہانہ یا قابلِ قدر نہیں رہا ہے اور اِس حوصلہ شکن عہد میں اور ریاست کے مجموعی پُر آشوب حالات میں حامدیؔ کاشمیری، پرتپال سنگھ بیتابؔ، فاروق نازکی، عرش صہبائیؔ اور ودیا رتن عاصیؔ جیسے افراد کا باقی بنے رہنا ایک معجزے سے کم نہیں ہے۔ اور پھر جہاں بقول شجاع خاور۔

جو مال ملتا ہے بیچو متاعِ فن کو شجاع
یہ مال اِن دنوں ویسے بھی کم نکلتا ہے!

تجارتی اور کاروباری ادب کی انڈسٹریز کا چلن چل پڑا ہے وہاں ودیا رتن عاصیؔ جیسے پُرخلوصوں کی حوصلہ افزائی ہمارا فرض بنتا ہے اور شاید اِن پُرعزم اشخاص کا حق بھی۔

بقول سجاد ظہیر:

''ادب میں کوئی بھی تبدیلی یکایک اور اِتفاقیہ نہیں ہوتی۔
بڑے سے بڑا genius بھی اُس مواد اور مسالے سے
ہی اپنی نئی تخلیقات کرتا ہے جو اُس کو اپنی قوم سے تہذیبی
ورثے میں ملتے ہیں۔''

سو عاصیؔ کا **دشتِ طلب** حاضرِ خدمت ہے۔ اِس دشت کی سیر خود بھی کیجیے اور اوروں کو بھی دعوت دیجیے کہ اِس پُر آشوب دشت میں سے گزرنے کا حوصلہ دِکھائیں۔

آخرش میراجیؔ کے اِس قول کو میں اپنے اختتامیے کا سرنامہ بناتا ہوں اور اِس اُمید کے ساتھ اِجازت چاہتا ہوں کہ آپ میرے لکھے سے اِتفاق کریں یا نہ کریں لیکن یہ خود طے کرلیں گے کہ ہمارے عہد کے عاصیوںؔ کی بقا اور اُن کے تحفظ کا ذمہ اگر ہم نہیں اُٹھائیں گے تو اور کون؟

''کوئی بھی شاعر روایتی بندھنوں سے الگ رہ کر احساس، جذبے یا خیال کے اظہار میں اپنی اِنفرادیت کو نُمایاں کرتا ہے تو وہ نیا شاعر ہے ورنہ پُرانا!!''

هم مزاجِ غزل سے ہیں خوب آشنا
هم سے قائم ہے حُسنِ غزل دوستو! — عاصیؔ

☆☆☆

05-01-2004

لیاقت جعفری

243/A، پوسٹ آفس لین

نیو پلاٹ، جموں

□

غلط سب دلیلیں، غلط سب حوالے
اندھیرے اندھیرے اُجالے اُجالے
مِرے حال پر پھبتیاں کسنے والے
مُبادا تُجھے پھونک دیں میرے نالے
ہمیں جان و دِل سے وہ اپنا بنا لے
مگر ہم کہاں ایسی تقدیر والے
مُجھے وعظ پر وعظ فرمانے والے
اگر کوئی تیری بھی نیندیں چُرا لے؟

ہزاروں تھے دُنیا میں اِخلاص والے
مگر گردشِ وقت نے پیس ڈالے
رہِ زندگی میں بجا سعئِ پیہم
مقدّر کا لکھا مگر کون ٹالے
محبت پہ تیرا یہ احسان ہو گا
محبت میں جی سے گُزر جانے والے
اُدھر مہکی مہکی فضائے محبت
اِدھر ذہن پر چند یادوں کے جالے
حقیقت ہمیشہ حقیقت رہے گی
حقیقت پہ پردے کوئی لاکھ ڈالے
محبت کی نیرنگیاں، توبہ توبہ
کہیں راتیں روشن، کہیں دِن بھی کالے

کوئی دم کے مہماں ہیں اے زندگی ہم
جہاں تک تُجھے راس آنا ہے ، آ لے
اگر میری ہستی کھٹکتی ہے تُجھ کو
تو لے ڈُوب جاتا ہوں اے ناخُدا ،! لے
کِسی جانِ جاں کی امانت ہیں عاصیؔ
یہ اشکوں کے طوفاں، یہ آہیں، یہ نالے

□

نا آشنائے دردِ دلِ بے قرار لوگ
کیا جانیں آبروئے غمِ اِنتظار لوگ
تسکینِ دِل کے واسطے ہوتے نہ خوار لوگ
اے کاش! جانتے ترے غم کا وقار لوگ
نظریں بچا کے چلتے ہیں بے گانہ وار لوگ
اک پل میں بھوُل جاتے ہیں برسوں کا پیار لوگ
اِن کے دِلوں میں اب وہ محبت نہیں رہی
کتنے بدل گئے ہیں الٰہی یہ یار لوگ

برسوں کی رسم وراہ کا توڑیں نہ یوں بھرم
یوں بے تعلّقی نہ کریں اختیار لوگ
ہر اِک سخن ہے طنز کا پہلو لیے ہوئے
بدلے یہ کب کے لینے لگے مجھ سے یار لوگ
اُن کی تسلیاں نہ کسی کام آسکیں
مُجھ کو بچا سکے نہ مِرے غم گُسار لوگ
ہم نے کِیا جو جورِ مُسلسل کا شکریہ
اپنے کیے پہ آپ ہوئے شرمسار لوگ
اک بے وفا کی یاد میں اُلجھا ہوا ہے دِل
چھیڑیں نہ آج ذکرِ غمِ روزگار لوگ
آئے گی جب کبھی انہیں عاصؔی ہماری یاد
روئیں گے پھوٹ پھوٹ کے دیوانہ وار لوگ

☆☆☆

ہم پر نگاہِ لُطف کبھی ہے، کبھی نہیں
تم ہی کہو یہ کیا ہے اگر دل لگی نہیں
گو جی رہا ہے آج بھی کوئی تِرے بغیر
"لیکن یہ زندگی تو کوئی زندگی نہیں"
اُس کی بَلا سے کوئی جیے یا کوئی مرے
جس کو کسی کے درد کا احساس ہی نہیں
تکلیف دہ ہیں رنج و مصائب کی سختیاں
راس آئے زندگی کی فضا، لازمی نہیں

دل میں نہ آرزو ہے کوئی اب نہ ولولہ
اک شمع جل رہی ہے مگر روشنی نہیں

آخر ہم اُن کے وعدوں پر ایمان لائیں کیا
جو ہم پہ مہربان ابھی ہیں ابھی نہیں

اس گُفتگُو کی طرز میں ترمیم کیجیے
کب تک میں خامشی سے سنوں آپ کی "نہیں"

عاصیؔ زبانِ خامشی میں داستانِ شوق
ہم نے کہی ہے بارہا اُس نے سُنی نہیں

□

غافِل ہوں تری یاد سے ایسا تو نہیں ہے
ہر وقت مِرے دل میں تری یاد مکیں ہے

دُنیائے محبت بڑی دل کش ہے، حسیں ہے
ہر ایک کو راس آئے، ضروری تو نہیں ہے

مانا کہ زمانے کا ہر اک نقش حسیں ہے
اس پر بھی زمانے میں کوئی تجھ سا نہیں ہے

اِک عرضِ تمنا کے سِوا ہم نے کِیا کیا؟
کِس بات پہ وہ شعلہ بدن چیں بہ جبیں ہے

کیا خاک ہو میرے دلِ بے تاب کا درماں

جب مجھ پہ تری چشمِ توجّہ ہی نہیں ہے

دل میں ہے اگر جذبۂ اخلاص ومحبت

وہ خود ہی کھنچے آئیں گے یہ میرا یقیں ہے

کیا کہیے محبت میں عجب حال ہے اپنا

نظریں ہیں کہیں اَور تو دِل اَور کہیں ہے

رہ رہ کے کھٹکتا ہے جو ہر سانس میں پیہم

سینے میں کوئی خار ہے یا قلبِ حزیں ہے

اقرارِ وفا کر بھی چُکیں تیری نگاہیں

افسوس ترے لب پہ مگر پھر بھی ''نہیں'' ہے

اُس بُت کا کوئی عہد بھی ایفا نہیں ہوتا

کیا اُس کا یقیں جس کا نہ ایماں ہے نہ دیں ہے

وہ خواب تری چاہ جِسے کہتی ہے دُنیا
تعبیر خُدا جانے مگر خواب حسیں ہے

کیا طُرفہ قیامت ہے، مری وجہِ تباہی
وہ پُوچھتے ہیں اور مُجھے یاد نہیں ہے

شرمندۂ احساں میں نہیں راہنما کا
عاصیؔ مِرا رہبر تو مِرا عزم و یقیں ہے

نہ رُسوا اِس طرح کرتے بُلا کر مجھ کو محفِل میں
اگر پاسِ وفا ہوتا ذرا بھی آپ کے دل میں

نہ اب وہ وَلولے باقی نہ اب وہ حوصلے دِل میں
مِرا ہونا نہ ہونا ایک ہے دُنیا کی محفِل میں

حوادِث سے ہے نسبت خاص ایسے زِندگانی کو
ہے قائم ربطِ باہم جس طرح دریا و ساحِل میں

بڑی مدّت سے یہ عالم ہے جیتا ہوں نہ مرتا ہوں
بڑی مدّت سے میری زندگی ہے سخت مشکل میں

☆☆☆

□

ابھی کوئی سِتم ٹوٹا، ابھی کوئی بَلا ٹوٹی
رہا جب تک میں زندہ بس یہی خدشہ رہا دِل میں
مِری ہستی کی کشتی کا ٹھکانہ ہی نہیں کوئی
ابھی آغوشِ طوُفاں میں ابھی آغوشِ ساحِل میں
تمہیں سوچو مِرا جینا کوئی جینے میں جینا ہے
نہ کوئی آرزو دِل میں نہ کوئی مُدعا دِل میں
سفینہ زندگی کا نذرِ طوُفاں کر دیا عاصؔی
تُجھے آخر یہ کیا سوُجھی یہ کیا آئی تِرے دِل میں

☆☆☆

کمی آنے نہ پائے اے فلک ! کُچھ جورِ پیہم میں
بہت ہے طاقتِ برداشتِ غم آج بھی ہم میں

کمی آئی ہے جب سے تیرے میرے ربطِ باہم میں
بھٹک کر رہ گئی ہے زِندگی تاریکیِ غم میں

ہوئی ہیں انجمن میں جب بھی اُس کافر سے چار آنکھیں
کہی ہے داستانِ غم زبانِ چشمِ پُرنم میں

عبث اُمید اے عاصیؔ ! کِسی سے غم گُساری کی
کِسی کو کیا غرض جو ہو شریک آ کر تِرے غم میں

غنیمت ہے وہ میری بے بسی پہ مسکرائے ہیں
کِسی کا کون ہوتا ہے وگرنہ ایسے عالم میں

اُٹھا ہی چاہتا ہے اب جنازہ آرزوؤں کا
بُجھا ہی چاہتی ہے شمعِ ہستی اب کوئی دَم میں

یہی لے دے کے اب تو رہ گیا ہے اپنا سرمایہ
جو آنسوُ دیکھتے ہیں آپ میری چشمِ پُرنم میں

نہ وہ میرے، نہ دِل میرا نہ ادنیٰ سی خوشی میری
یہ میرا حَوصلہ ہے جی رہا ہوں اَیسے عالم میں

اگر اے آسماں ! آہ و فُغاں پر ہم اُتر آئے
بدل جائے گی بزمِ عیشِ دُنیا بزمِ ماتم میں

کہیں نام ونشاں تک مِل نہ پائے گا مسّرت کا
کہاں تک ساتھ میرا دے سکو گے جادۂ غم میں

حیاتِ مختصر کی کیا کہیں روداد ہم تجھ سے
خُلاصہ یہ کہ گذری ہے پریشانی کے عالم میں

☆☆☆

□

لوگ جو دل فِگار ہوتے ہیں
چلتے پھرتے مزار ہوتے ہیں

جو محبت میں خوار ہوتے ہیں
صاحبِ صد وقار ہوتے ہیں

جِن کے دامن میں خار ہوتے ہیں
قدر دانِ بہار ہوتے ہیں

جو محبت شِعار ہوتے ہیں
سازِشوں کا شِکار ہوتے ہیں

میری بربادیِ محبت پر
آپ کیوں شرمسار ہوتے ہیں ؟
اُن کے قول و قرار کیا کہیے
صرف قول و قرار ہوتے ہیں
اپنا مطلب نکالنے والے
کِس قدر ہوشیار ہوتے ہیں
پُر خلوصوُں کی پوُچھتے کیا ہو؟
خوار ہوتے تھے، خوار ہوتے ہیں
کیا خبر تھی کہ راہِ اُلفت میں
ہر قدم خار زار ہوتے ہیں
کِس توّقع پہ لوگ اے عاصؔی
زندگی پر نثار ہوتے ہیں

☆☆☆

اُٹھایا ہی نہیں جاتا جو بارِ زندگی ہم سے

کنارہ کر گئی شائد کسی کی یاد بھی ہم سے

کبھی مانُوس تھی، کتنی بہارِ زندگی ہم سے

مگر دامن کشاں ہے آجکل ہر اک خوشی ہم سے

شبِ غم اس طرح بھی کٹ گئی ہے بارہا اپنی

کسی کی یاد پہروں گُفتگُو کرتی رہی ہم سے

کسی کے واسطے ترکِ تعلّق مشغلہ ٹھہرا

ہمارے دل پہ جو گذری ہے پُوچھے کوئی ہم سے

کسی کو شادکامی ہے کسی کو نامُرادی ہے
مِلیں گے راہِ اُلفت میں کئی تُم سے کئی ہم سے

تِری چشمِ کرم کی وہ توجہّ ہی نہیں ورنہ
کہاں تھی اِس قدر برہم ہماری زندگی ہم سے

بسا اوقات ہم نے میکدے کے در پہ دستک دی
طبعیت جب کسی صورت نہ بہلائی گئی ہم سے

کہاں تک خوُدفریبی میں رہیں ہم مُبتلا عاصیؔ
لبوں پر لائی جاسکتی نہیں جھوُٹی ہنسی ہم سے

□

نا خُدا کی مُشکلیں آسان کر جاتا ہوں میں
اپنی کشتی آپ جب طُوفاں سے ٹکراتا ہوں میں
ان کا ہر اک قول اکثر بے عمل پاتا ہوں میں
ناصحوں کی بات کو خاطِر میں کم لاتا ہوں میں
کِس قدر ہے نارسا میرا مقدّر دیکھئے!
عَین منزِل کے قریب آ کر بھٹک جاتا ہوں میں
ہر بَلائے ناگہاں میرا مقدّر بن گئی
ہر بَلا سے خُود کو اب محفُوظ تر پاتا ہوں میں

بے ترے جو کچھ گزرتی ہے مرے دِل پر نہ پوچھ
زِندگی کو موت کے نزدیک تر پاتا ہوں میں

جب محبت جان تھی ایمان تھی وہ دِن گئے
اب محبت کے تصور سے بھی گھبراتا ہوں میں

مدّتیں گزریں کہ دِل نے کی تھی اُن کی آرزو
آج تک دشتِ طلب میں ٹھوکریں کھاتا ہوں میں

میں تری باتوں میں آکر بے سرو ساماں ہُوا
اب مگر اے دِل! تری باتوں میں کب آتا ہوں میں

زندگی میں رنگ و بو نے کس قدر دھوکے دیے
اُس پہ بھی عاصیؔ فریبِ رنگ و بو کھاتا ہوں میں!

یہ بہاریں یہ چمن یہ آشیاں میرے لئے؟
سر بہ سر ثابت ہوئے آزارِ جاں میرے لئے

پُوچھتے کیا ہو دلِ بے خانماں کی دوستو!
اک مُصیبت ہے دلِ بے خانماں میرے لئے

اب طبعیت مُشکلوں سے اِسقدر مانُوس ہے
فصلِ گُل سے کم نہیں دورِ خزاں میرے لئے

چل دیا جب ناخُدا طوفاں میں مجھ کو چھوڑ کر
بن گئی ساحِل ہر اِک موجِ رواں میرے لئے

کون سی ہے وہ مُصیبت مُجھ پہ جو ٹوٹی نہیں
رات دِن گردِش میں ہیں ہفت آسماں میرے لئے

لاکھ ہوُں بے وصف لیکن مُدّتوں یاد آؤں گا
مُدتوں دُنیا رہے گی نوحہ خواں میرے لئے

میں نے عاصؔی ترک کر دی زِندگی یہ سوچ کر
کیوں سہے یہ ہر بَلائے ناگہاں میرے لئے

□

بے داد گر ہُوا کہ کوئی بے وفا ہُوا

کیا اس کا ذِکر کیجیے، جو کُچھ ہُوا ہُوا

پُرسِش کو آپ آئے، اِدھر دم ہَوا ہُوا

کس وقت ہائے! آپ کا وعدہ وفا ہُوا

کیا پُوچھتے ہو عِشق میرے حق میں کیا ہُوا

آفت ہُوا، عذاب ہُوا، اِک بَلا ہُوا

اِس بے قرار دِل کو ہے کتنا سکون اب

مَوت آ گئی کہ آپ کا وعدہ وفا ہوا

مجھ سے جو پوچھیے تو پیامِ فنا ہیں سب
ساحل ہُوا، سفینہ ہوا، نا خُدا ہُوا،

مرتا ترا خیال بھی ہوتا اگر جُدا
مجھ سے ترا خیال مگر کب جُدا ہوا

سو راحتیں نثار ہیں اُس کے نصیب پر
جس کشتیِ حیات کا غم نا خُدا ہوا

آخر کوئی جیے تو جیے کس اُمیدّ پر
پہلوُ میں ایک دل ہے سو وہ بھی بُجھا ہُوا

نسبت مُجھے ہے اِن سے اِنہیں تیری ذات سے
یہ آرزوُ ہوئی کہ کوئی مدّعا ہُوا

جس کم نصیب شخص کو غم بھی نہ آئے راس
دُنیا میں ایسے شخص کا جینا بھی کیا ہُوا

میرا ہی حوصلہ ہے یہ اے دوست عُمر بھر
ہنستا رہا ہوں آگ پہ بھی لَوٹتا ہُوا

جینا جو چاہتا ہے تو اک بار مر کے دیکھ
عاصیؔ وگرنہ یہ تِرا جینا بھی کیا ہُوا

□

بے حال سے ہم کیوں رہتے ہیں کیوں چاک ہے دامن کیا کہیے
یہ جوگ لیا ہے برسوں سے ہم نے کِس کارن کیا کہیے

اے منزلِ حق کے دیوانو! کچھ سوچ کرو کچھ کر گذرو!
کیا جانیں کب کیا کر گُزرے یہ وقت کا راون کیا کہیے

اک وہ بھی عالم تھا کہ تری پل بھر کی جُدائی ڈستی تھی
اب سوچ ہے کیونکر کاٹیں گے پربت سا یہ جیون کیا کہیے

زخموں پہ زخم بھی کھاتا ہے اس پر بھی یہ کب باز آتا ہے
پھر پیار کے نغمے گاتا ہے اس دل کا لڑکپن کیا کہیے

جب یاد کسی کی آئی ہے ہم خُون کے آنسو روئے ہیں
اے عاصیؔ! یوں بھی آنکھوں سے برسا ہے ساون کیا کہیے

ناسازیِ حالات نے دِل توڑ دیا ہے

دُنیا کی ہر اک بات نے دِل توڑ دیا ہے

کچھ ساقیِ محفل بھی رہا رندوں سے برہم

کچھ شدتِ آفات نے دِل توڑ دیا ہے

آغازِ مُلاقات میں کیا جوش تھا دل میں

انجامِ مُلاقات نے دِل توڑ دیا ہے

کل آپ کی ہر بات سے تسکین ملی تھی

آج آپ کی ہر بات نے دِل توڑ دیا ہے

بے حال و پریشاں ہے بشر روزِ ازل سے
فرسودہ روایات نے دِل توڑ دیا ہے
اپنوں کی عنایات کا ہم ذکر کریں کیا
اپنوں کی عنایات نے دِل توڑ دیا ہے
ہم تشنہ دہن بیٹھے ہیں مے خانے میں عاصیؔ
اُمڈی ہُوئی برسات نے دِل توڑ دیا ہے

☆☆☆

□

دِل لگا بیٹھا ہُوں اُس عیّار سے
جس کو نفرت ہے وفا سے پیار سے

دیکھئے! ہم کِس قدر ہیں بے نیاز
کُچھ نہ مانگا حُسن کی سرکار سے

کِس لئے ہُوں زِندگی سے بد گماں
کاش! وہ پوچھیں کسی دِن پیار سے

اے نگاہِ ناز! تیرا شکریہ
مُطمئن ہے دِل تِری گُفتار سے

زِندگی بھی ہم سے ہے بیزار سی
زِندگی سے ہم بھی ہیں بیزار سے

ہر بشر کے واسطے ہے لازمی
کام لے شیر ینیٔ گُفتار سے

آپ کی خاطر ہُوئے برباد ہم
آپ بھی ہیں ہم سے اب بیزار سے

دوستی اُن سے نبھے بھی کِس طرح
میں ہوں دیوانہ تو وہ ہُشیار ہیں

غَیر تو پھر غیر ہیں عاصیؔ مگر
آپ بھی کُچھ کم نہیں اغیار سے

☆☆☆

اُن کو مائل بہ جور و جفا دیکھ کر
بُجھ گیا دِل یہ رنگِ وفا دیکھ کر
مختصر یہ ہے رودادِ قلب و نظر
مِٹ گئے ہم کسی کی ادا دیکھ کر
آپ اَپنی جفا پر پشیماں ہوئے
وہ مِرے ضبط کی اِنتہا دیکھ کر
یُوں بھی سجدے ہوئے جادۂ شوق میں
جھک گئے ہیں ہم ترا نقشِ پا دیکھ کر

عشق بھی شرم سے سرِنگُوں ہو گیا
حُسن کو مائلِ التجا دیکھ کر

اہلِ دُنیا بہت دیر جلتے رہے
حسن کا عشق سے رابطہ دیکھ کر

شوق سے راہِ اُلفت پہ ہو گامزن
اس زمانہ کی لیکن ہَوا دیکھ کر

راہ شوق و محبت کی پُر پیچ ہے
دیکھ کر! اے دِلِ مبتلا! دیکھ کر

کِس قدر بُجھ گیا عاصیؔ یہ خستہ دلِ
آپ کو ہر گھڑی یوں خفا دیکھ کر

☆☆☆

□

تلخیِ آلام رَہنِ جام کی
بادہ خانے میں بسر ہر شام کی
بزم میں ساقی کی چشمِ مست نے
شرم رکھ لی ایک تشنہ کام کی
کاش! سُن لیتے وہ میری داستاں
بات رہ جاتی دلِ ناکام کی
مٹ نہ پائیں زِندگی کی تلخیاں
بادہ نوشی ہم نے گو ہر شام کی

اِس نگاہِ مُختصر کا شکریہ
بات بن آئی دلِ ناکام کی

ہم کہاں تھے اس طرح بے ننگ و نام
دوستو! گردش ہے صُبح و شام کی

بادہ خواروں نے نہ چلنے دی کوئی
میکدے میں گردشِ ایّام کی

عاصیؔ کم ظرف نے ہنگامِ میں
انجمن کی انجمن بدنام کی

امتیازِ بیش و کم سے دوُر ہے
دل محبّت کے نشے میں چوُر ہے
غم اُٹھا کر بھی بہت مسَرور ہے
کِس قدر سادہ دلِ رنجور ہے
ایک مُشتِ خاک ہے اسکا وجود
آدمی کس بات پر مغرور ہے
اِس کے آگے ایک بھی چلتی نہیں
دل کے ہاتھوں ہر کوئی مجبور ہے
حُسن کو گو ناز ہے خود پر مگر
عشق بھی اپنی جگہ مغرور ہے

آپ ناحق ملال کرتے ہیں
مُفت جی کو نڈھال کرتے ہیں
بے پیے مے حرام ہوتی ہے
رِند پی کر حلال کرتے ہیں
جنسِ اخلاص اِس زمانے میں؟
آپ بھی کیا کمال کرتے ہیں
مائلِ لُطف تھے جو کل ہم پر
آج جینا محال کرتے ہیں

آپ مِلتے ہیں جب کبھی ہم سے
لوگ لاکھوں سوال کرتے ہیں
آپ زِندہ ہو کِس طرح عاصیؔ
دوست اکثر سوال کرتے ہیں

☆☆☆

اس طرح دِل کو بے آسرا چھوڑ کر
ہم کہاں جائیں در آپ کا چھوڑ کر

کیا بھروسہ مریضِ غمِ عِشق کا
کُچھ دعا کیجئے اب دوا چھوڑ کر

مَوجِ طوُفاں نے بڑھ کر سہارا دیا
چل دیا جب مُجھے نا خُدا چھوڑ کر

یوں بھی ہوتا ہے اپنوں سے غافل کوئی
یوں بھی جاتا ہے کوئی بھلا چھوڑ کر

بادہ خانے میں رسوائیاں ہی سہی
کون جائے یہ رنگیں فضا چھوڑ کر

مدّتوں یاد کرتا رہے گا جہاں
مٹ گئے ہم تو نقشِ وفا چھوڑ کر

اہلِ دنیا نے عاصؔی بہت کچھ دیا
ایک جنسِ خلوص و وفا چھوڑ کر

☆☆☆

□

پیے جاتا ہوں ساقی کی نظر سے
مجھے کیا گردشِ شام و سحر سے
کوئی ڈالے گا قیمت خاک ان کی
جو گوہر ٹوٹتے ہیں چشمِ تر سے
مناسب ہے غرورِ حُسن، لیکن
اُتر جائے گا یہ سودا بھی سر سے
یہ کِن بیتے دِنوں کی یاد آئی
یہ کیسے اشک ٹپکے چشمِ تر سے

بہت مشّاق ہو گا رہزنی میں
کِسے تھی یہ توقع راہبر سے

تِرے جلوؤں کی تابانی کا عالم
کوئی دیکھے ذرا میری نظر سے

تمہیں چاہوں تو کیوں کر تُم کو چاہوں
تمہیں دیکھوں تو دیکھوں کِس نظر سے

چھٹے زنداں سے شاید تیرے وحشی
بگولے اُٹھّے ہیں ہر رہ گذر سے

بہت بگڑے ہوئے ہیں اُن کے تیور
نظر آتا ہے یہ اُن کی نظر سے

وفاؤں کے عوض توڑے جفائیں
کہوں تو کیا کہوں بے داد گر سے

کسی کی مست آنکھوں کے تصدّق
یقیں اُٹھنے لگا ہے موت پر سے
قدم رکھّا جہاں اہلِ جنوں نے
کئی طوفاں اُٹھے اس رہگزُر سے
بھری محفل میں اظہارِ محبت
یہ لغزِش، اور پھر میری نظر سے؟
ستم ڈھا کر ہمارے دل پہ اکثر
زمانہ خود گِرا اپنی نظر سے
اُٹھاتی ہے اجل ہی اُن کو عاصیؔ
گرا دیتے ہیں وہ جن کو نظر سے

□

کبھی میں نے اُنہیں پوچھا نہیں ہے
اُنہیں بھی ہے محبت یا نہیں ہے
وہی چھایا ہوا ہے زِندگی پر
وہ جس کو آج تک دیکھا نہیں ہے
اجازت ہو تو میں یہ عرض کر دوں
سلیقہ آپ کا اچھّا نہیں ہے
ستم، آلام، محرومی، تباہی
مِری تقدیر میں کیا کیا نہیں ہے

ابھی کچھ اور بھی جورو ستم ہوں
ابھی صدموں سے دِل ٹوٹا نہیں ہے
میری تقدیر ہی میں ٹھوکریں ہیں
مُجھے دُنیا سے کچھ شکوا نہیں ہے
نہ جانے کِس گھڑی چھن جائے ہم سے
یہ ظالم جسم بھی اپنا نہیں ہے
عجب انسان ہے دُنیا میں وہ بھی
صدائے وقت جو سُنتا نہیں ہے
کہاں رہتے ہو عاصیؔ آج کل تم
کئی دِن سے تمہیں دیکھا نہیں ہے

☆☆☆

□

بھلا چاہے گا کوئی کیا کِسی کا

ہو دشمن آدمی جب آدمی کا

جفا کاری ہے زندہ آپ ہی سے

جفا کاری ہے شیوہ آپ ہی کا

مِرا شیوہ ہے اِخلاص و محبت

بُرا چاہوں گا میں کیونکر کسی کا

خدا کا شکر ہے اُس بے وفا نے

سبب پوچھا ہے میری خامشی کا

ترے دِل میں بھی ہو دردِ محبت
ترا دِل کاش! ہو جائے کسی کا
یہی معراج ہے خود آگہی کی
نہ دِل توڑو! زمانے میں کسی کا
دِلوں میں حسرتِ تخریب، پنہاں
لبوں پہ ذکر، صلح و آشتی کا
وہی دُشمن ہوئے ہیں آج عاصیؔ
جو دم بھرتے تھے کل تک دوستی کا

ہم ہیں طوفانِ حوادث سے گزُرنے والے
ہم نہیں موجِ بلا خیز سے ڈرنے والے

آپ جی بھر کے دِل زار پہ بیداد کریں
ہم کسی طوَر شِکایت نہیں کرنے والے

کاش! تو دردِ محبت سے شناسا ہوتا
عہدو پیمانِ محبت سے مُکرنے والے

پھوُل ہی پھوُل نہیں اِس میں کئی خار بھی ہیں
دیکھ کر! راہِ محبت سے گزُرنے والے

تیری اِس خاص ادا پر ہوں دِل و جاں سے نثار
میری آنکھوں سے مرے دِل میں اُترنے والے

ایسی تنظیمِ گُلستاں کا خُدا ہی حافظ
اب یہ تنکے ہیں کوئی دِن میں بکھرنے والے

اب تو بیکار سی ہے سعیِ مسلسل عاصیؔ
اب نہیں گیسوئے حالات سنورنے والے

□

زِندگانی جب ہمیں راس آئے گی
دیکھ لینا! موت بھی آ جائے گی
وہ نظر جب بھی کرم فرمائے گی
لازماً دُنیا ہمیں اپنائے گی
میرے گھر سے شامِ غم کب جائے گی
آج جائے گی تو کل پھر آئے گی
کون زِندہ رہ سکے گا بِن ترے
کس سے یہ تہمت اٹھائی جائے گی

کون جانے کیا ہو پھر توبہ کا حشر
میکدے پر جب گھٹا گھِر آئے گی

ایک دن ہم خاک میں مِل جائیں گے
ہر حقیقت داستاں بن جائے گی

کیا کروں اِن کی نصیحت کا گِلہ
دوستوں سے اور کیا بن آئے گی

گردشِ دوراں کو سمجھا دیجیے!
ہم سے اُلجھے گی تو مُنہہ کی کھائے گی

میں نہ کہتا تھا نہ پوچھیں میرا حال
آپ کو سُن کر ہنسی آ جائے گی

وہ مٹانے کو ہیں اے عاصؔی ہمیں
یہ خلش بھی ایک دِن مٹ جائے گی

☆☆☆

□

ہم نے اُن کے عہد و پیماں کی حقیقت دیکھ لی
اُن کی اُلفت دیکھ لی، اُن کی محبّت دیکھ لی

پردۂ مہر و وفا میں ہے نہاں مکر و رِیا
کِس قدر ہے اہلِ دُنیا میں شرافت دیکھ لی

جس قدر برباد ہونا تھا مُجھے میں ہو لیا
جس قدر تھی میری قسمت میں مصیبت دیکھ لی

اُن کی محفل تک رسائی غیر ممکن تھی مگر
پھر بھی ہم نے آزما کر اپنی قسمت دیکھ لی

اُن کی چشمِ مست ہی کچھ کارگر اب ہو تو ہو
جام و مینا سے تو بہلا کر طبیعت دیکھ لی

اپنی قسمت میں کہاں تھی کوچہٗ جاناں کی خاک
اے دلِ بے خانماں ! تیری بدولت دیکھ لی

اُس بتِ ایماں شکن کو دیکھ کر یوں بے نقاب
آج ہم نے اپنی آنکھوں سے قیامت دیکھ لی

حضرتِ عاصؔی کریں ہم آپ پر کیا اعتبار
آپ کی باتوں میں ہے کتنی صداقت، دیکھ لی

□

کبھی رنج و غم ہے کبھی بے کسی ہے
مِری زندگی بھی عجب زندگی ہے
گلہ کیا کروں اُن کے جوَروستم کا
ہمیشہ ہی اُن کی یہ عادت رہی ہے
محبت میں جینا، محبت میں مرنا
مِری زندگی کا عقیدہ یہی ہے
ہوا۔کیا ہے آخر ہمیں بھی پتہ ہو
بَھلا ہم سے کیوں آج یہ بے رُخی ہے

اگرچہ غمِ دہر کا سامنا ہے
مگر میرے ہونٹوں پہ پھر بھی ہنسی ہے
بیاں کیا کروں کیفیت دل کی عاصیؔ
محبت میں اب جان پر بن گئی ہے

□

مسّرت چیز کیا ہے رنج کیا ہے ؟
یہ سارا کھیل اک احساس کا ہے
بہارِ زندگی کہتے ہیں جس کو
کسی کے اک تبسم کی ضِیا ہے
کسی کے جَور کا حد سے گزُرنا
ہماری خامشی کی اِنتہا ہے
خطائے بے وفائی اور ہم سے ؟
یقیناً آپ کو دھوکا ہوُا ہے

ابھی بدلی نہیں اِنساں کی فطرت

یہ اب بھی دشمنِ مہر و وفا ہے

کسی کی بزم تک ہو کیا رسائی

مقدّر ہی ہمارا نارسا ہے

اُسے کیا واسطہ دیر و حرم سے

وہ جس نے رازِ اُلفت پا لیا ہے

ہزاروں راحتیں اُس پر تصدّق

تمہارا غم جسے راس آگیا ہے

تلاطم خیز موجوں سے گزر جا !

لبِ ساحل کھڑا کیا سوچتا ہے؟

میں اُن کو پوجتا ہوں جان و دل سے

وہ جن کے دل میں احساسِ وفا ہے

کبھی سُنتے نہیں ہیں آپ ورنہ
ہمارے دِل میں بھی اک مدّعا ہے
ہمیں مطلق نہیں احساس عاصیؔ
ہماری زندگی بے آسرا ہے

□

خواب جنت کے ہیں بے محل دوستو!
کچھ بھی ہوتا نہیں بے عمل دوستو!

لوگ کہتے جسکو اجل دوستو!
زندگی کا ہے ردِّ عمل دوستو!

میرا دعویٰ نہیں بے محل دوستو!
دیکھنا! یاد آؤنگا کل دوستو!

ہم مزاجِ غزل سے ہیں خوب آشنا
ہم سے قائم ہے حُسنِ غزل دوستو!

رنج کے بعد راحت بھی ہے لازمی
آج گزرا تو آئے گی کل دوستو!

لاکھ چاہو مگر مسئلہ زیست کا
بے اجل ہو سکے گا نہ حل دوستو!

آج دُھومیں مچا لیں سرِ میکدہ
کون جانے کہاں ہونگے کل دوستو!

اپنے اپنے تخیّل کی پرواز ہے
اپنا اپنا ہے رنگِ غزل دوستو!

کیا کہے حالِ دل عاصیؔ خستہ جاں
چین دِل کو نہیں ایک پل دوستو!

سو سازشیں ہیں پنہاں یاروں کی دوستی میں
ہم آزما چُکے ہیں اُن کو ہنسی ہنسی میں

مُدّت سے دَر بہ دَر ہوں عرصہ سے کُو بہ کُو ہوں
کوئی نہیں ہے اپنا اس دورِ بے حِسی میں

رنج و الم کی یوُرش، جورَ وستم کی بارش
کیا کیا مُصیبتیں ہیں دو دن کی زندگی میں

اُن کی ہر اِک نظر سے ظاہر ہے حال دِل کا
ہے گفتگو کا لہجہ اندازِ خامشی میں

تفسیرِ دوستی ہو اب اِس سے کیا زیادہ
میری خوشی ہے صاحب بس آپ کی خوشی میں
ٹوٹیں ہزار ہم پر کوہِ غم و مصائب
ہرگز نہ ہم جھکیں گے انساں کی بندگی میں
ایسا نہیں کہ یکسر دُنیا سے اُٹھ گئی ہے
مہر و وفا ہے اب بھی لیکن کسی کسی میں
عاصؔی میں اُن سے ہرگز بہتر نہیں ہوں پھر بھی
کُچھ لوگ مُبتلا ہیں احساسِ کمتری میں

□

ہمیں نفرت ہے ایسی زندگی سے

تعلق ہی نہ ہو جس کو خوشی سے

الٰہی کیا زمانہ آ گیا ہے

ہے نفرت آدمی کو آدمی سے

بڑھی ہے اور دِل کی بیقراری

کہا ہے حالِ دل جب بھی کسی سے

ہماری سادگی پر غور کیجیے!

شکایت آپ کی اور آپ ہی سے

وہی کرتے ہیں شکوہ زندگی کا

نہیں اُلفت جنہیں کُچھ زندگی سے

کسی کے رنج و غم میں جو بشر شامل نہیں ہوتا
وہ دُنیا میں کبھی تعظیم کے قابل نہیں ہوتا

مریضِ عشق سے اے چارہ گر! یہ بے رُخی کیسی؟
کسی بے بس کا دِل رکھنا کوئی مشکل نہیں ہوتا

نہایت بے مزا ہوتی ہے وہ رُو داد اُلفت کی
تمہارا ذکر جس رُوداد میں شامل نہیں ہوتا

کوئی پوچھے مِرے دل سے ذرا محفل کی ویرانی
کبھی محفل میں جب وہ رونقِ محفل نہیں ہوتا

حقیقت میں اُنہیں کو زندگانی راس آتی ہے
وہ جن کے واسطے مرنا کوئی مشکل نہیں ہوتا

سلوکِ دہر کا شکوہ کبھی کرتے نہیں ورنہ
سلوکِ دہر سے غافل ہمارا دِل نہیں ہوتا

محبت کی کوئی منزل نہیں ہوتی زمانے میں
یہ وہ دریا ہے جس کا کوئی بھی ساحل نہیں ہوتا

تِری باتوں پہ اے ناصح! یقیں ہم کِس طرح کرلیں؟
یہ وہ باتیں ہیں جن باتوں سے کچھ حاصل نہیں ہوتا

فقط ساقی کا دِل رکھنے کو پی لیتا ہوں اے عاصیؔ
وگرنا میں تو ہرگز شاملِ محفل نہیں ہوتا

☆☆☆

□

چارہ ہے غمِ زیست کا کیا؟ جان گئے ہم
ساقی ترے الطاف کے قُربان گئے ہم
کچھ دیر کی مہماں ہے ستم خیزیِ دُنیا
کیا وقت کے انداز ہیں، یہ جان گئے ہم
اب جا کے ہوا ہے اُنہیں احساس وفا کا
جب اُن کی جفاؤں کو وفا مان گئے ہم
ساحل پہ ڈبو دینگے سفینے کو یہ لا کر
احباب کے اطوار کو پہچان گئے ہم

اِک حال پہ رہتی نہیں دُنیا کی کوئی شے
اے گردشِ ایّام تجھے مان گئے ہم
عاصؔی کوئی دیکھے تو ذرا اپنی شرافت
اِک دُشمنِ ایماں کو خُدا مان گئے ہم

☆☆☆
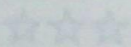
مُفلِسوں پہ جب کبھی آیا شباب
گھڑ لِئے دُنیا نے قصّے بے حساب
کون جانے ان کی کیا تعبیر ہو
ہم نے آنکھوں میں سجائے ہیں جو خواب
لڑکھڑا جائیں نہ ہم کیوں بے پیے
اُن کی آنکھوں سے چھلکتی ہے شراب
ہائے ہم اِس کا مقدّر کیا کہیں
ایک دِل ہے اور غم ہیں بے حساب

لذتِ شیرینئِ ہستی کہاں؟
تلخیوں میں کٹ گیا دورِ شباب
راہ بر نے ہر قدم دھوکہ دیا
مجھ کو شک تھا میری قسمت ہے خراب
درہم و برہم ہے نظمِ زندگی
اے غمِ دَوراں ترا خانہ خراب
ہوش کر اے شیخ اب بھی وقت ہے
تجھ کو لے ڈوبیں گے یہ جنّت کے خواب
ہم سے دُنیا نے چھپائے تھے جو راز
خود بہ خود ہونے لگے وہ بے نقاب
زندگی بھر حضرتِ عاصؔی رہے
رہگذارِ شوق میں ناکامیاب

☆☆☆

□

تجھ کو چاہا تجھ کو پُوجا
کیا یہ میرا پاگل پن تھا؟
پَل میں تولہ پَل میں ماشہ
ناداں! یہ دُنیا ہے دُنیا
تیرا ہو کر جینا چاہا
میں بھی کتنا دیوانہ تھا
تیرا رُتبہ عرش سے اونچا
تجھ کو مجھ سے نسبت ہی کیا؟

میری تو ہستی ہی کیا ہے
لیکن تو نے کِس کو بخشا؟
تیرا حُسن ہے عالم عالم
میرا عِشق ہے تنہا تنہا
او منُہہ پھیر کے جانے والے
دنیا کیا سوچے گی! سوچا؟
قطرے کی اوقات ہی کیا ہے
قطرہ قطرہ، دریا دریا
اپنا اپنا ذوقِ نظر ہے
کِس کا جلوہ، کیسا پردہ؟
کون اُٹھا تیری محفل سے
کس کی عمر کا ساغر چھلکا

تیری عزت، محفل محفل

میں، شاعر، آوارہ، رُسوا

مانا خاک بسر ہوں پھر بھی

یاد کرو گے یاد آؤں گا

یہ جینا بھی کیا جینا ہے

اِس جینے سے مرنا اچھا

دُنیا کِس کو راس آئی ہے؟

کِس کو راس آئے گی دُنیا

ہم نے سُدھ بُدھ کھو دی عاصیؔ

اُس نے کس انداز سے دیکھا؟

□

کبھی تسکیں کبھی آزار بھی ہے
محبت پھول بھی ہے خار بھی ہے
پگھل جاتی ہے مثلِ شمع لیکن
محبت آہنی دیوار بھی ہے
ترے ہونٹوں پہ ہے انکار لیکن
تری آنکھوں میں کچھ اِقرار بھی ہے
بظاہر ہیں سبھی غم خوار لیکن
حقیقت میں کوئی غم خوار بھی ہے؟

کبھی اُن کی نظر ہے وجہِ تسکیں
کبھی چلتی ہوئی تلوار بھی ہے

نہ جا اِس پر کہ میں چُپ ہوں سِتم پر
یہ خاموشی لبِ گُفتار بھی ہے

زمانہ طنز آسا بھی ہے، لیکن
اُلجھنا عشق سے بیکار بھی ہے

فقط گُفتار پر نازاں ہے عاصؔی
خیالِ خوبیِ کردار بھی ہے؟

☆☆☆

□

نالۂ دل رائیگاں، دیکھیئے کب تک رہے

نامُرادی، کامراں، دیکھیئے کب تک رہے

میری اُلفت کا یقیں دیکھیئے کب ہوا نہیں

یہ حقیقت داستاں، دیکھیئے کب تک رہے

دیکھیئے کب تک رہیں زندگی پر ہم گراں

زندگی ہم پر گراں دیکھیئے کب تک رہے

دیکھیئے کب تک رہیں در بہ در کی ٹھوکریں

گردشِ ہفت آسماں دیکھیئے کب تک رہے

دیکھئے کب تک نہ ہوں کامراں اے دوست ہم
بخت ہم سے سرگراں دیکھئے کب تک رہے
دیکھئے عاصیؔ پہ ہو کب عنایت آپ کی
نامکمل داستاں دیکھئے کب تک رہے

اس طرح کے لُطف سے کوئی کہاں تک شاد ہو
لُطف کے پردے میں جب بے داد ہی بے داد ہو

اَیسے جینے سے کوئی کیا مطمئن کیا شاد ہو
ہر نفس جب آہ و زاری ہر نفَس فریاد ہو

میری بربادی کا قصّہ میرے غم کی داستاں
اے وفا نا آشنا شاید تجھے کچھ یاد ہو؟

بن ترِے محسُوس یوں کرتا ہوں جَیسے زندگی
سر بہ سر مجھ پر کوئی اِلزامِ بے بنیاد ہو

رفتہ رفتہ مِٹ رہے ہیں میری بربادی کے نقش
او ستمگر پھر کوئی تازہ ستم ایجاد ہو

اس طرح سُونی ہے عاصؔی زِندگی اُن کے بغیر
جِس طرح کوئی مکاں مدّت سے غیر آباد ہو

□

اَور مُشکل یہ آپڑی ہم پر
طنز کرتے ہیں آپ بھی ہم پر

سادہ لوحی کا یہ صِلہ پایا
اب بگڑتا ہے ہر کوئی ہم پر

پھر بھی زندہ ہیں ہم زمانے میں
ہر جفا اس نے توڑ لی ہم پر

مٹ رہے ہیں خلوص کے بندے
ختم ہے دورِ عاشقی ہم پر

بِن تِرے گھومتے ہیں جب تنہا
مسکراتی ہے چاندنی ہم پر

ایک تہمت ہَیں زِندگی پر ہم
ایک تہمت ہے زِندگی ہم پر

روز جور و عتاب ہوتا ہے
ہو نگہہِ لُطف بھی کبھی ہم پر

کیا خبر تھی کہ ایک دن عاصیؔ
مسکرائے گا ہر کوئی ہم پر

پھر پریشاں حال ہیں قلب و جگر کیا کیجیے

اب علاجِ گردشِ شام و سحر کیا کیجیے

مہرباں ہو بھی اگر اب چارہ گر، کیا کیجیے

کر چکا ہے درد ہی اس دل میں گھر، کیا کیجیے

دیکھئے کب موت کا جھونکا بُجھا ڈالے اِسے

زندگی ہے اِک چراغِ رہگزر کیا کیجیے

ہم سے ہوتا ہی نہیں دردِ محبت کا عِلاج

اب یہی کہتے ہیں ہم کچھ سوچ کر کیا کیجیے

راحت و آرام کا ہر گز نہیں کوئی گزر

ہو رہی ہے زندگی یوں ہی بسر کیا کیجیے

جب ہمارے لب پر آتی ہے کبھی مطلب کی بات

ہنس دیا کرتے ہیں وہ منہ پھیر کر کیا کیجیے

سوچتے ہیں حالِ دل ہو، کس طرح اُن سے بیاں

وہ بگڑ جاتے ہیں ہر اِک بات پر کیا کیجیے

ہم نے جن کی چاہ میں برباد کر دی زندگی

ہم پہ ہوتی ہی نہیں اُن کی نظر، کیا کیجیے

ہم نے عاصؔی اُن کا ہر الزام اپنے سر لیا

اپنے دُشمن تھے ہمیں کچھ اِس قدر کیا کیجیے

☆☆☆

موَجوں سے ٹکرائے ہیں ہم طُوفانوں سے کھیلے ہیں

اِک جینے کی خاطر ہم نے کیا کیا صدمے جھیلے ہیں

قلب ونظر کے افسانے یہ رونقِ بزمِ عیش وطرب

جیتے جی کی باتیں ہیں سب جیتے جی کے میلے ہیں

اِن کے ہی دم سے رونقِ ہستی اِن کے دم سے حُسنِ جہاں

خاک بسر ہیں ظاہر میں جو لوگ بڑے البیلے ہیں

یہ اپنی ہی ہمّت تھی ہر موجِ بلا سے پار ہوئے

کھیل بہت دلدوز تھے ورنہ جو تقدیر نے کھیلے ہیں

سوچتے ہیں ہم تشنہ لبوں پر کس نے آج نوازش کی
کِس نے اپنی مست نظر سے رنگیں جام انڈیلے ہیں
اُن لوگوں پر ، کاش تِری کچھ نظرِ عنایت ہو جاتی
جن لوگوں نے تیری خاطر برسوں صدمے جھیلے ہیں
عاصؔی زیست کی راہوں میں مل جائے کسی کا ساتھ ، مگر
یہ تقدیر کی باتیں ہیں یہ سب تقدیر کے میلے ہیں

مِری دُنیائے دل زیروزبر ہے
محبت کی نظر بھی کیا نظر ہے
مزاجِ دشمناں زیروزبر ہے
ہمارا بخت بھی کیا اوج پر ہے
سحر تک خاک بھی باقی نہ ہوگی
یہ بزمِ ماہ و انجم رات بھر ہے
مِری مانے تو مانے کیا مِرا دِل
یہ کافر آپ کے زیرِ اثر ہے

امیرِ شہر کو اس سے غرض کیا

فقیرِ شہر کب سے دربدر ہے

ہمارا دِل جَسے کہتی ہے دُنیا

جو سچ پوُچھو وہ عاصؔی ہی کا گھر ہے

2

غمِ زندگی ہے نہ دَہشت قضا کی
بلائیں لیے جاتا ہوں ہر بلا کی
اُسے فکر کیا ہو سزا و جزا کی
تِری آرزو جِس نے صُبح و مسا کی
جہاں تک ہوا ہم نے اُن سے وفا کی
وہ پھر بھی ہیں برہم، تو مرضی خُدا کی
تِری بے رُخی کا سبب کیا ہے آخر؟
سزا مل رہی ہے ہمیں کس خطا کی ؟

اِدھر منتظر کوئی مہر و وفا کا
اُدھر اُن کو عادت ہے جو رو جفا کی
دوا سے ملے اب شفا غیر ممکن
مِرے چارہ سازو گھڑی ہے دُعا کی
کبھی اِس طرف بھی ہو نظرِ عنایت
کبھی سُن تو لیں عاصیِ مُبتلا کی

3

غم میں اک لطفِ شادمانی ہے
ٹھوکروں میں بھی کامرانی ہے

صرف اِک عشق غیر فانی ہے
ورنہ ہر چیز آنی جانی ہے

جو نہیں آشنا محبت سے
دِل پہ اس بُت کی حکمرانی ہے

موت اور زِندگی میں ہے یہ فرق
اک حقیقت ہے، اک کہانی ہے

یاد تیری ہے زِیست کا حاصل

غم تیرا وجہِ شادمانی ہے

چشمِ پُرنم پہ میری خاموشی

دل کے زخموں کی ترجمانی ہے

کیا بُرا جو کِسی کے کام آئے

جان اِک دِن تو یوں بھی جانی ہے

اٹکی ہے جاں لبوں پر اے عاصؔی !

چارہ سازوں کی مہربانی ہے

☆☆☆

۶

چارۂ دردِ نہاں بن کر رہے
وہ ہمارے رازداں بن کر رہے

یہ زمانہ طنز فرماتا رہا
ہم محبت کی زُباں بن کر رہے

ہم سے قائم تھا وقارِ زندگی
پھر بھی گردِ کارواں بن کر رہے

موت بھی اُس سے رہی دامن کشاں
آپ جس کے مہرباں بن کر رہے

دِل کی دُنیا عمر بھر روشن رہی
داغ دل کے کہکشاں بن کر رہے
اس میں کوئی مصلحت تھی دوستو!
ہم جو اب تک بے زباں بن کر رہے
ہم رہے خاموش اے عاصؔی مگر
اِک سراپا داستاں بن کر رہے

ہنس کر کبھی ہم سے وہ گلفام نہیں ملتا

کچھ اپنی وفاؤں کا انعام نہیں ملتا

عنقا ہے محبت میں اب لطف و کرم ان کا

اب رنج میں راحت کا پیغام نہیں ملتا

کہیے تو کسے کہیے ، اس محفلِ دُنیا سے

تکلیف تو ملتی ہے آرام نہیں ملتا

ہم جس کی تمنا میں مدّت سے ہیں سرگرداں

وہ صبح نہیں ملتا، وہ شام نہیں ملتا

جو مست بنا ڈالے ہر غم کو مٹا ڈالے
ساقی تری محفل میں وہ جام نہیں ملتا

ہر بزم میں اے عاصیؔ چرچے تھے کبھی جن کے
ڈھونڈے سے کہیں اُن کا اب نام نہیں ملتا

قطعہ
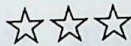
جب کبھی اس شوخ سے میری نظر ٹکرا گئی
کیا کہوں میں زندگی پر بے خودی سی چھا گئی

وہ نظر جب بھی مِرے دل پہ کرم فرما گئی
آرزوئیں مسکرائیں زِندگی لہرا گئی

اِس نوازش سے تو دِل کچھ اور مضطر ہو گیا
اُن کی آمد مجھ پہ اِک طرفہ قیامت ڈھا گئی

اُن کی زلفوں کا مچلنا جب مُجھے یاد آ گیا
میرے دل پر یک بیک اِک برق سی لہرا گئی

بحرِ غم میں آج پھر اک حشر برپا ہو گیا
کشتیِ دل آج پھر طوفان سے ٹکرا گئی

ساقیِ گلفام کے چہرے سے جب سِر کی نقاب
عاصیِ وارفتہ کی آنکھوں میں مستی چھا گئی

□

شوق دِل میں اور لب پر خامشی بھی چاہیے
دِل لگانے میں رضا کچھ آپ کی بھی چاہیے

زندگی میں یہ ادائے زندگی بھی چاہیے
شدّتِ غم میں لبوں پر کچھ ہنسی بھی چاہیے

کِس طرح دِل سے بجھا دوں اُن کی یادوں کے چراغ
دِل کی محفل کے لئے کچھ روشنی بھی چاہیے

بندشِ الفاظ ہی پر شاعری قائم نہیں
وارداتِ زِندگی کی چاشنی بھی چاہیے

صرف خواہش ہی سے ہو سکتا نہیں دیدارِ دوست
قیس جیسی رات دِن آوارگی بھی چاہیے

خاک ہے وہ زیست جس میں کوئی ہنگامہ نہیں
زِندگی میں انقلابِ زندگی بھی چاہیے

☆☆☆

7

جب ان کی یاد آئی بے اختیار روئے
دل بار بار دھڑکا ہم بار بار روئے

جو دِل کا حال سُن کر بے اختیار روئے
دیوانے ہو گئے وہ دیوانہ وار روئے

ہر اک نظر سے کتنی حسرت ٹپک رہی تھی
بَربادیوں پہ میری جب غمگُسار روئے

مولا وہ دِن نہ لائے اے مُجھ پہ ہنسنے والے
میں تُجھ پہ مُسکراؤں تو زار زار روئے

تقدیر نے دکھائے ہم کو عجیب منظر
گہہ قہقہے لگائے گہہ زار زار روئے

ہم تُجھ کو بھول بیٹھے لیکن ستم ہے پھر بھی
دل یاد کر کے تجھ کو کیوں بار بار روئے

دیکھا کبھی جو منظر میری تباہیوں کا
وہ مُنہ سے کچھ نہ بولے زار و قطار روئے

دل کی لگی کا شائد مطلب یہی ہے عاصؔی
دل بے قرار تڑپے، دل بے قرار روئے

8

سر پر آئی جو آفت وہ ٹل ہی گئی
زِندگی رنج و غم سے نکل ہی گئی

لاکھ محتاط تھے دیدہ و دِل سے ہم
پھر بھی اُن کی نظر چال چل ہی گئی

عمر بھر ہم رہے غم سے دامن کشاں
زِندگی آپ کے غم میں ڈھل ہی گئی

راز رکھّا محبت کے ہر راز کو
پھر بھی یہ بات مُنہ سے نکل ہی گئی

آپ نے لاکھ اس کو نہ چاہا مگر
انجمن میں مِری بات چل ہی گئی

چارہ سازوں کے الطاف کا شُکریہ
زِندگی غم کے سانچے میں ڈھل ہی گئی

لاکھ ہم نے کیا ضبط دل پر مگر
اُن کو دیکھے طبعیت مچل ہی گئی

جب بھی عاصیؔ مُجھے وہ مِلے راہ میں
دیکھ کر ہم کو یہ دُنیا جل ہی گئی

□

غمِ دُنیا ، کسی کی یاد، حسرت موت کی یارو!
اِنہی دو چار پر ہے اب مدارِ زِندگی یارو!
خوشامد، جی حضوری ، مصلحت کوشی ، غرض مندی
یہی ہے زِندگی تو پھر ہماری بندگی یارو!
کِسی کی چاہ میں جیتے ، کِسی کی چاہ میں مرتے
ہمارا بھی کوئی ہوتا یہ حسرت ہی رہی یارو!
تمہارے ساتھ رہ کر بھی ریا کاری نہیں آئی
تُمہاری کیا خطا اِس میں مِری بد قسمتی یارو!

وہ جن کی دوستی پر آج اِتراتے ہو تُم اِتنا
کبھی اپنی بھی اُن لوگوں سے رسم و راہ تھی یارو!
بہ فیضِ مصلحت جینا ، بہ فیضِ مصلحت مرنا
یہی اِک خاصیت ہے آج کے اِس دوَر کی یارو!
کہاں تک تُم فریبِ دوستی کھانے سے روکو گے؟
سنبھل جائے گا خُود ہی ٹھوکریں کھا کر کوئی یارو!
نہ جینا اِختیاری ہے نہ مرنا اِختیاری ہے
خُدا جانے سزا ہے زِندگی کِس جُرم کی یارو!
تُمھاری ہی کرم فرمائیوں کا فیض ہے ورنہ
ہمیں اپنے پرائے کی کہاں پہچان تھی یارو!
اِسی کو آگہی کہتے ہیں اس دوَرِ سیاست میں
جہاں تک ہو سکے ہنستے رہو جُھوٹی ہنسی یارو!

یہ آہ و زاریاں کیسی، یہ نوحہ خوانیاں کیسی؟
اگر جینا نہیں آتا تو کر لو خُود کشی یارو!
ہم اِتنا جانتے ہیں عاصیؔ گُستاخ کی بابت
بہت خاموش رہتا تھا کبھی یہ آدمی یارو!

حاصِل ہمیں بھی قُربتیں تھیں آپکی کبھی
یعنی ہمیں بھی راس تھی یہ زِندگی کبھی

ہم بھی تھے کامیاب محبت میں دوستو!
ہم پر بھی یعنی وہ نگہہِ لُطف تھی کبھی

پَہروں کسی کی یاد میں کھوئے رہے ہیں ہم
غمِ ہائے زِندگی سے جو فرصت مِلی کبھی

ہم اور اُن شکوہِ جوروستمِ غلط !!
مجبور ہو گئے ہیں، سو وہ بھی کبھی کبھی

اپنی تباہیوں کا اُڑایا ہے خُود مذاق
خُود قہقہے لگائے ہیں ہم نے کبھی کبھی

ہم بھی بنامِ دوستی کھاتے رہے فریب
ہم پر بھی تھا یہ عالمِ دیوانگی کبھی

وہ، اور مہربان، میرے حالِ زار پر؟
کیا کیا کمال کرتے ہیں یہ لوگ بھی کبھی

اُن سے بچھڑ کے عمر بھر دیتے رہے فریب
ہم زِندگی کو اور ہمیں زِندگی کبھی

ہم اور اُن کا شکوۂ جور و ستم غلط
مجبور ہو گئے ہیں، سو وہ بھی کبھی کبھی

خُود سے فرار چاہنے والے مُجھے بھی دیکھ!
ہر سختیِ حیات سہی اُف نہ کی کبھی

مایُوس اِسقدر بھی نہیں زِندگی سے ہم
زندہ رہے تو راس بھی آ جائے گی کبھی
عاصیؔ ! تمام عُمر رہیں آہ و زاریاں !!
دیکھی نہ تیرے ہونٹوں پہ ہم نے ہنسی کبھی

۹

جو بھی ہے فریادی ہے
یہ کیسی آزادی ہے

بندش ہے تو جینے پر
ورنہ سب آزادی ہے

تیری محبت، تیری نفرت
ہر پہلو بربادی ہے

تُجھ سے کیا فریاد کریں
تُو تو خود فریادی ہے

عاصیؔ سچ مُچ تیری طرح
غزل بھی سیدھی سادی ہے

آرزوئے قرار کون کرے؟
بے حِسی اختیار کون کرے؟

خود کو رُسوا و خوار کون کرے
عشق کا کاروبار کون کرے

اب تِری یاد بھی نہیں آتی
پرسشِ حالِ زار کون کرے

یہ جو دِن کٹ رہے ہیں آپ سے دُور
زِندگی میں شمار کون کرے

ہم کہ بے حال ہیں مگر اے دوست !
جی حضوری شعار کوَن کرے
اپنی بربادیوں کا چھیڑ کے ذِکر
آپ کو شرمسار کوَن کرے
دُشمنی، دوستی کے پردے میں
یہ چلن اِختیار کوَن کرے
تم ہمارے ہو اَعتبار تو ہے
وقت کا اَعتبار کوَن کرے ؟
عاصیؔ بے کتاب ہوں مُجھ کو
شاعروں میں شُمار کوَن کرے

اور کِس طرح زِندگی کرتے
عُمر گُزری ہے خُود کشی کرتے
زِندگی میں کوئی کشش ہی نہ تھی
ورنہ کوشش نباہ کی کرتے
آپ میں کوئی وصف تو ہوتا
آپ کی نذر جان بھی کرتے
اے کہ مُردوں کو پُوجتے ہو تم
کاش ! زِندوں کا ذِکر ہی کرتے

جیسے ماحول میں جیے ہم لوگ
آپ ہوتے تو خُود کشی کرتے

ہر طرف بھیڑ تھی خُداؤں کی
لوگ کِس کِس کی بندگی کرتے

ہم تو بے دوست ہی بھلے عاصیؔ
دوست ہوتے تو دُشمنی کرتے

□

ہمدردی جتلانے والے
نکلے آگ لگانے والے
آخر تُجھ کو یہ کیا سُوجھی
منزِل سے لوٹ آنے والے
تم بستی والوں سے نسبت؟
ہم ٹھہرے ویرانے والے
سوچ سمجھ کر دامن پھیلا
او ! دامن پھیلانے والے

دُنیا والے کیا سوچیں گے
خاموشی اپنانے والے

کاش ! حقیقت بھی دُھراتے
افسانے دُھرانے والے

شاید تیرا کوئی نہیں ہے
رات گئے گھر جانے والے

ہم رِندوں سے اِن کی ہستی
ورنہ یہ مے خانے والے؟

عاصؔی روکے رُک جائیں گے
آنے والے جانے والے

جنوں کی حدیں پھاندنا چاہتا ہوں
بہت سو چکا جاگنا چاہتا ہوں
سبھی داغ دھو ڈالنا چاہتا ہوں
میں ہر روز اِک حادثہ چاہتا ہوں
مِرے حاسِدوں کو یہ کیا ہو گیا ہے
یہ ہمدردیاں! جاننا چاہتا ہوں
مُجھے دینے والے نے سب کُچھ دِیا ہے
میں حیراں ہوں اب اور کیا چاہتا ہوں

بھلا تھا تو سب کا بھلا سوچتا تھا
بُرا ہوں تو سب کا بُرا چاہتا ہوں

عوِض پیار کے نفرتیں ہی تو دیں ہیں
صِلہ اب میں کِس بات کا چاہتا ہوں

تُجھے حق ہے یارب ! بنا دے، مٹا دے
ترا ہوں ترِی ہی رضا چاہتا ہوں

"مُجھے زِندگی کی دُعا دینے والے"
ترا مُدعّا جاننا چاہتا ہوں

مِرے دوست درد آشنا ہیں ہی لیکن
میں دُشمن بھی درد آشنا چاہتا ہوں

یہ اک شرط ہے دردِ دِل دینے والے
کہ میں دردِ دِل لادوا چاہتا ہوں

میں مُوسیٰ نہیں ہوں مگر پھر بھی عاصؔی
تُجھے اِک نظر دیکھنا چاہتا ہوں

☆☆☆

□

بیٹھے ہو سرِ راہ گزر کیوں نہیں جاتے
تُم لوگ تو گھر والے ہو گھر کیوں نہیں جاتے؟
یہ وقت کے حاکم ہیں سُنا! وقت کے حاکم
یہ کہتے ہیں مر جاؤ تو مر کیوں نہیں جاتے
اِس بات سے ظاہر ہے تمہی ایک خُدا ہو
ہم ورنہ کسی اور کے در کیوں نہیں جاتے
پل ہی میں گزر جاتی ہیں سُکھ چین کی راتیں
دُکھ درد کے دِن پل میں گزر کیوں نہیں جاتے

مُدّت سے کریدے بھی نہیں یاد کِسی کی
پھر زخم مِرے سینے کے بھر کیوں نہیں جاتے

اس دَور میں جینا ہے تو مکّار کا جینا
یہ بات حقیقت ہے تو مر کیوں نہیں جاتے

اتنے ہی اگر تنگ ہو اِس شہر سے عاصیؔ
چُپکے سے کِسی دُور نگر کیوں نہیں جاتے

یہ تو نہیں ہے ہم اچھے فنکار نہیں
بات فقط اِتنی ہے دُنیا دار نہیں

کون ہے جو اس جینے سے بیزار نہیں
لیکن مرنے کو بھی کوئی تیار نہیں

عشق میں تم گھر بار لُٹائے بیٹھے ہو
لیکن میں ؟ میرا تو کوئی گھر بار نہیں

میری طرح اب یہ بھی مانگ کے کھاتے ہیں
میرے ہمسائے بھی اب خوددار نہیں

شعروں پر ہو داد کے بدلے میں بے داد
عاصؔی صد افسوس کہ عہدے دار نہیں

☆☆☆

رہے ہیں پائمالِ گردشِ ہفت آسماں برسوں
سہے گا کون جو ہم نے سہی ہیں سختیاں برسوں

نہ منزِل ہی مِلی کوئی نہ منزِل کا نشاں برسوں
بھٹکتے ہی پھِرے ہم مثلِ گردِ کارواں برسوں

کِسی کی بدگمانی کا گِلہ کرنے سے کیا حاصل
جب اپنے آپ سے ہم خود رہے ہوں بدگماں برسوں

نظامِ گلستاں سے وہ بھلا کیا مطمئن ہو گا
رہا ہو بجلیوں کی زد میں جِسکا آشیاں برسوں

یہی دُنیا نہ پوچھا جیتے جی جِس نے کبھی عاصیؔ
یہی دُنیا منائے گی ہماری برسیاں برسوں

☆☆☆

□

تِنکا تِنکا نظر نہیں آتا
ہم کو کیا کیا نظر نہیں آتا

یہ حقیقت ہے آئینے کے بغیر
اپنا چہرہ نظر نہیں آتا

کون جانے کہاں یہ لے جائے
آب و دانہ نظر نہیں آتا

سب کے ہمراہ ایک ماضی ہے
کوئی تنہا نظر نہیں آتا

جِسم اَیسا مکان ہے جس میں
رہنے والا نظر نہیں آتا
اپنے جَیسے ہزار ہیں عاصیؔ
تیرے جَیسا نظر نہیں آتا

□

دردِ والے ہو تو پھر اَیسا کرو !
ساتھ کُچھ ہمدرد بھی رکھّا کرو !
اپنا بیگانہ نہ تم دیکھا کرو !
ہر کِسی سے مصلحت برتا کرو !
دوسروں کے درد کو چھوڑو میاں
پہلے اپنے درد کا چارہ کرو !
گو بُلندی ہو کہ پستی ، ہر جگہ
ذہَن و دِل دونوں کھُلے رکھّا کرو !

اس قدر خاموشیاں اچھّی نہیں
لوگ کیا سوچیں گے، کُچھ سوچا کرو !
جِس کو جو ہونا ہے ہو ہی جائے گا
کون ،کیوں، کیَسے ہے؟ کم سوچا کرو !
صاف دِکھ جائیں گے چہرے کے نقوُش
آئینہ نزدیک سے دیکھا کرو !
ہم سفر ہوں گے تو بِچھڑیں گے ضرور
اس لئے اِک اِک سفر تنہا کرو !
ہر نفس عاصیؔ خُدا کی دین ہے
ہر نفس اِک چوکسی برتا کرو !

میرے حالِ زار پر تم بھی ہنسو
تُم بھی تو آخر مِرے ہمدرد ہو
کون مرتا ہے کِسی کے واسطے؟
مرنے والا سامنے آ جائے تو؟
ترک تو کر دوں میں مرنے کا خیال
زِندہ رہنے کی مگر صورت تو ہو
مُجھ کو سمجھانے سے اب کیا فائدہ
دِن تصوّر کر چُکا ہوں رات کو

روز مرتے روز جیتے ہیں ہمی
طُول دیتے ہیں ہمی ہر بات کو
کوئی بھی عالم ہو تم عاصیؔ میاں
کوستے رہتے ہو اپنی ذات کو

کیوں نہ ہم آج حقیقت ہی بتا دیں اپنی
جِسم اپنا ہے نہ اِس جِسم میں سانسیں اپنی

سچ تو یہ ہے کہ کبھی خود کو تلاشا ہی نہ تھا
اَور آئی بھی نہ تھیں برسوں سے یادیں اپنی

بَوجھ اس دِل کا کِسی روز تو ہلکا ہو گا
کھُل کے برسیں گی کِسی روز تو آنکھیں اپنی

اب یہ عالم ہے ہم اِک دوجے کو سُن لیتے ہیں
اور خاموش بھی رکھتے ہیں زبانیں اپنی

جانے کِس وقت ہو اندر کے سفر کا آغاز

جانے کب ختم ہوں باہر کی یہ دوڑیں اپنی

مُجھ کو پہلے سے ہی عِرفان کا ہے نشّہ بہُت

میرے آگے سے ہٹا لو یہ شرابیں اپنی

مجھ کو ہر سَمت نظر آتا ہے جلوہ اپنا

اب تو جِس سَمت بھی اُٹھتی ہیں نگاہیں اپنی

آئینہ آئینہ ہے آپ کو کیا دیکھے گا

دیکھ سکتی ہیں کہاں خود کو نِگاہیں اپنی

رُوح کی پیاس ہے لفظوں سے کہاں بجھتی ہے

بند کر دو یہ صحیفے، یہ کتابیں اپنی

ایک تُو ہی تو سمجھ سکتا ہے عاصؔی ورنہ

کون سمجھے گا ترِے شہر میں باتیں اپنی

☆☆☆

□

میں کہ کِس کِس سے آشنا نہ ہوا
اِک بھی اپنے مزاج کا نہ ہوا

اپنی بربادیاں یقینی تھیں
عِشق تو صرف اِک بہانہ ہوا

یہ حقیقت ہے آج تک خود سے
اِتفاقاً بھی سامنا نہ ہوا

عشق میں دونوں ہو گئے برباد
پہلے یہ حادثہ سُنا نہ ہوا

☆☆☆

کِس مصیبت سے ہم نہیں واقف
کِس مصیبت سے سامنا نہ ہوا

وہ تو خواہاں تھے پیش قدمی کے
ہم سے ہموار راستہ نہ ہوا

ساری دُنیا کی منصفی کر لی
صرف اپنا ہی فیصلہ نہ ہوا

مَوت پر خیر ! اختیار کِسے
خود کشی کا بھی حوصلہ نہ ہوا

دُنیا داری نِبھا تو سکتے تھے
دِل ہی سینے میں دوسرا نہ ہوا

اَور سب ہو گئے خُدا والے
ایک عاصؔی ہی با خُدا نہ ہوا

☆☆☆

□
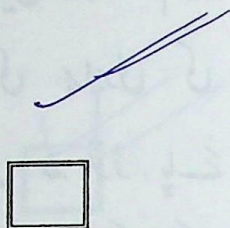
چند لوگوں نے زندگی کی ہے
ورنہ بہتوں نے خُودکشی کی ہے
پاک ہم بھی نہیں ہیں، ہم نے بھی
چڑھتے سورج کی بندگی کی ہے
جِس کو چاہا ہے دِل سے چاہا ہے
کِس نے پرواہ سماج کی کی ہے !
ہم وہی ہیں ہمارے طَور وہی
صِرف پینے میں کُچھ کمی کی ہے

کیوں بگڑتے ہیں لوگ ، ہم نے میاں
کب کسی کی برابری کی ہے
تِنکا تک بھی نہ توڑ پائے کبھی
فِکر سارے جہان کی کی ہے
دوست ہم بھی نہیں رہے اپنے
کِس نے کِس سے زیادتی کی ہے
سب نے دیکھا ہے دور سے ، وہ بھی
ہم نے عاصیؔ سے بات بھی کی ہے
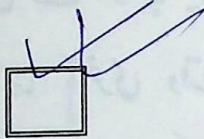
ایک دِن سارے نشے اُتر جائیں گے
تم بھی مر جاؤ گے ہم بھی مر جائیں گے

ہم نہ ہونگے تو ہم بدلیوں کی طرح
آسمانوں سے ہو کر گُزر جائیں گے

تیر کر جو نہیں، ڈوب کر ہی سہی
دیکھنا پار ہم بھی اُتر جائیں گے

رات دھومیں مچا لو! سرِ میکدہ
صبح دم تُم کِدھر، ہم کِدھر جائیں گے

ناخُداؤں کی پہچان ہونے تو دو !
لوگ خود کشتیوں سے اتر جائیں گے
تو ہی عاصؔی بتا آخری وقت ہم
تیرا در چھوڑ کر کس کے در جائیں گے

مصائب لاکھ ہوں اُن سے گُزر جانا بھی آتا ہے
ہمیں طوفان سے کشتی کو ٹکرانا بھی آتا ہے

مقاصِد زندگی کے کیا ہیں سمجھانا بھی آتا ہے
ہمیں بھٹکے ہوؤں کو راہ پر لانا بھی آتا ہے

رہِ حق میں ہوں کتنی مشکلیں ہم جھیل سکتے ہیں
رہِ حق میں ہمیں جاں سے گُزر جانا بھی آتا ہے

یہ دُنیا جانتی ہے ہم اہنسا کے پُجاری ہیں
سرِ میداں مگر دُشمن سے ٹکرانا بھی آتا ہے

اگرچہ اہلِ دانش غیر بھی ہوں قدر کرتے ہیں

مگر جو ناسمجھ ہوں اُن کو سمجھانا بھی آتا ہے

زمانے کے حوادث کیا بگاڑیں گے چلن اپنا

کہ ہم کو دار پر ہنس ہنس کے چڑھ جانا بھی آتا ہے

ہم اپنی مشکلوں پر بھی نظر رکھتے ہیں اے عاصیؔ

مگر ہاں دوسروں کے غم کو اپنانا بھی آتا ہے

کون سے ہم مر گزرے ہیں
دیکھیں کب دِن پھرتے ہیں
موت کی کس کو پروا ہے
ہم سایوں سے ڈرتے ہیں
آپ ہمارے غیر سہی
ہم بھی کون سے اپنے ہیں
صرف حویلی اونچی ہو
کھوٹے بھی چل جاتے ہیں

کوئی کسی کا توڑ نہیں
ہم سب اپنے جیسے ہیں

مرکر بھی آرام کہاں
دیواروں پہ لٹکے ہیں

عاصیؔ گھر اُجڑیں یا دل
بستے بستے ، بستے ہیں

جہاں اپنا بسایا جارہا ہے
ہمیں یونہی نچایا جارہا ہے
مسلسل مسکرایا جارہا ہے
یہ کس کو ورغلایا جارہا ہے
تمہارے چاہنے والے تو ہم ہیں
کِسے سولی چڑھایا جارہا ہے
کہیں رونے پہ پابندی لگی ہے
کہیں جبراً ہنسایا جارہا ہے

دبے مُردے اکھاڑے جا رہے ہیں
دلوں کو پاس لایا جا رہا ہے
کسی عاصی کی آمد ہوگی ورنہ
جہنم کیوں سجایا جا رہا ہے!

□

جس سے مٹ جائے وقارِ آدمی
کیا ہوئی وہ مذہبی دیوانگی

اِس حقیقت کو نہ بھولو دوستو !
چار دِن کی چاندنی ہے زِندگی

آدمّیت کا یہ مقصد تو نہیں
آدمی سے آدمی کی بے رُخی

جینے والو! جس طرح چاہو کرو !!
زِندگی راحت بھی ہے آزار بھی

جس سے بڑھ جائیں دِلوں کی دُوریاں
اَیسے مذہب کو ہماری بندگی
پیار کا اِخلاص کا پیغام دو !
شاعرو ! پیغمبری ہے شاعری
یہ اگر اوروں کے کام آئی نہیں
حیف ہے عاصیؔ ! پھر اَیسی زندگی

□

نظر فریب گلابی بہار ہے یارو!
ہر ایک شَے پہ اچھُوتا نکھار ہے یارو !
کہاں ہے ساقیِ محفِل؟ کہاں ہیں جام وسبُو؟
ہوائے عِطر فشاں نغمہ بار ہے یارو!
چھلک رہی ہے گلابی مہک رہے ہیں گلاب
یہ سبزہ زار نہیں لالہ زار ہے یارو !
شفق کا رنگ زمیں پر کہاں سے اُترا ہے
جدھر بھی دیکھئے رنگیں بہار ہے یارو !
یہ مہکی مہکی فضائیں یہ مست مست پھوّار
ہر ایک دِل کو میسّر قرار ہے یارو !

زِندگی خیر ہمیں راس نہیں
مَوت بھی بُھول چُکی ہو جَیسے

جس کو دیکھو ہے وہی خَوف زدہ
سامنے موت کھڑی ہو جَیسے

میں کہ برباد تھا برباد ہی ہوں
گردشِ وقت رُکی ہو جَیسے

تیری باتوں سے گُماں ہوتا ہے
تُو بھی مُجھ سا ہی دُکھی ہو جَیسے

آپ کیا رُوٹھ گئے ہیں عاصیؔ
زِندگی رُوٹھ گئی ہو جَیسے

# متفرقات

# نظم

اُلٹی سیدھی چند لکیریں

ریت پہ وہ بھی

گیلا آنچل، شہر نگاراں، پردے، دُنیا

ایک پہیلی میں بھی، تو بھی، سر سے پا تک

عورت، آگ، پسینہ، نغمہ

آگ کا دریا، تپتے صحرا

محفل محفل شہر خموشاں

منزل منزل یاس کے سائے

دِل سے دِل تک۔۔۔۔

☆☆☆

# نظم

بہتے پانی، سوکھے پتّے، جلتے آنسو
گیلے آنچل
میری تیری، تیری میری، آنکھیں آنکھیں
آندھی آندھی طوفاں طوفاں
خواب سنہرے خواب سنہرے
کچھ بھی نہیں تھے کچھ بھی نہیں ہیں
میرے تیرے پیار کے قصّے
پھر بھی کچھ تھے پھر بھی کچھ ہیں

☆☆☆☆

# نظم

گونگی لڑکی فرحانہ
چٹان زُلیخا
سادھو کی کُتیا
اندھی جوانی تنہا تنہا
کلیاں آوارہ
سناٹا پروائی، ہو
فطرت، باہیں،
کانچ کے ٹکڑے
دور وپ ستاروں سے آگے
لاشوں کا شہر!
دنیا شہرِ خموشاں
انجام ---
گناہ!

# نظم

عیاں ہم پر جوانی کی حقیقت ہوتی جاتی ہے
انہیں ہم سے ہمیں ان سے محبت ہوتی جاتی ہے
سکوں نا آشنا اپنی طبعیت ہوتی جاتی ہے
خوشی دِل سے ہنسی ہونٹوں سے رخصت ہوتی جاتی ہے
غمِ ایّام کی مجھ پر عنایت ہوتی جاتی ہے
مِرے گھر آئے دن برپا قیامت ہوتی جاتی ہے

کسی آدھی ادھوری سی کہانی کی علامت ہوں
مگر میں ہوں، کہ پھر بھی زندگانی کی علامت ہوں

☆☆☆

اپنے اپنے تخیّل کی پرواز ہے
اپنا اپنا ہے رنگِ سُخن دوستو

☆☆☆

معلوم آج تک نہ ہمیں ہو سکا یہ راز
ہم کو شراب پی گئی یا ہم شراب کو

☆☆☆

تم سے تو کوئی شکوہ نہیں دوستو
آپ اپنے ہیں دُشمن ہمیں دوستو!

## قطعہ

رنج، راحت، غم، خوشی، کُچھ بھی نہیں
جُز فریبِ آگہی کُچھ بھی نہیں
کون سمجھائے یہ اہلِ زیست کو
چند روزہ زندگی کُچھ بھی نہیں

## قطعہ

وہ؟ اور مہربان میرے حال پر !! غلط
افواہ مُطلقاً یہ غلط، سر بہ سر غلط
میں اُن کی جستجو میں پھروں جا بہ جا درست
وہ، اور مری تلاش میں ہوں در بہ در؟ غلط

قطعہ

روُح تاریک ہوتی جاتی ہے
نبض باریک ہوتی جاتی ہے
آپ کیا دوُر ہو گئے ہم سے
موت نزدیک ہوتی جاتی ہے

قطعہ

ہر حال میں ہر رنگ میں سرگرمِ عمل رہ
ہرِگز نہ اِسے سوچ کہ کیا کہتی ہے دنیا
تو دُنیا کے کہنے پہ نہ جا اے دلِ مغموم
اچھوں کو ہمیشہ ہی بُرا کہتی ہے دنیا

## قطعہ

ساقیِ بے نقاب دیکھے ہوئے
بزم میں آفتاب دیکھے ہوئے
اِک زمانہ گزر گیا مجھ کو
رقصِ جامِ شراب دیکھے ہوئے

## قطعہ

تیری بارگاہ پہ قدم رُک گئے
کہاں آج آ کر یہ ہم رُک گئے
تیرا آستانہ محافظ بنا
مری اور آتے سِتم رُک گئے

قطعہ

کیا تعجب ہے اِس میں اَے عاصیؔ
میں اگر بے حسِاب پیتا ہوں
بے تحاشہ شراب ملتی ہے
بے تحاشہ شراب پیتا ہوں

قطعہ

پتّھر کو گوہر کہہ کہہ کر
بدتر کو بہتر کہہ کہہ کر
ہم نے خود ماحول بگاڑا
رہزن کو رہبر کہہ کہہ کر

قطعہ

خزاں کے ستم بھول جانے کے دن ہیں
بہاروں کے دن، مُسکرانے کے دن ہیں
مگر کون سمجھائے اِن ناصحوں کو
یہی دن تو پینے پلانے کے دن ہیں

قطعہ

کبھی رہزن کبھی رہبر کا روپ بھرتے رہو
تمہارا وقت ہے جو جی میں آئے کرتے رہو
یہی تقاضہ ہے اِس دَور کی سیاست کا
سحر کو وعدہ کرو شام کو مُکرتے رہو

### قطعہ

اُمیدِ کرَم کیسی پھر خوفِ ستم کیسا؟
اپنا ہے نہ بیگانہ جب میرے قریں کوئی
ملنے کو ملے اکثر صورت کے حسیں لاکھوں
اے کاش مگر ملتا سیرت کا حسیں کوئی

### قطعہ

ترک کر دوں زندہ رہنے کا خیال
وقت کے دھارے کا رُخ ہی موڑ دوں
سوچتا ہوں بارہا اے دوستو !
زِندگی کا سلسلہ ہی توڑ دوں

## قطعہ

وقت کے دریا میں سب کُچھ بہہ گیا
اور میں خاموش تکتا رہ گیا
آج پھر یاد آ گئے کُچھ بیتے دِن
آج پھر آنکھوں سے دریا بہہ گیا

## قطعہ

جو لوگ محبت کے پرستار رہے ہیں
دُنیا کی نگاہوں میں گنہگار رہے ہیں
ہیں آج وہی لوگ مِری جان کے درپے
کل تک جو مِرے مونس و غمخوار رہے ہیں

قطعہ

تیرا تِرا ضمیر ہے، میرا مِرا ضمیر
پھر کیوں کسی پہ کوئی کرے نکتہ چینیاں
عاصؔی ہمارے لفظ زمانے کو بھا گئے
بیٹھیں ہیں آج ہم سے پرے، نکتہ چینیاں

قطعہ

تم کو پڑ جائے جو کبھی جینا
صرف اپنی ہی زِندگی جینا
یہ بھی جینے میں کوئی جینا ہے
روز مرنا، کبھی کبھی جینا

قطعہ

آپ ہی ہنسنے لگ جائینگے آپ ہی رونے لگ جائینگے
لوگ مسلسل تنہائی سے پاگل ہونے لگ جائینگے
گڈی گڈے دفن کرنے دو، بچّوں کو اِس پیڑ کے نیچے
اِک دِن اِن شاخوں پر پھر سے، نئے کھلونے لگ جائیں گے

قطعہ

کیسا خلُوص، کیسی محبت، کہاں کی چاہ
وہ بے حِسی ہے آج کہ اللہ کی پناہ
گو سرسری سہی مگر اِن پر بھی اِک نگاہ
جو مُنصفی کی آڑ میں کرتے رہے گُناہ

## قطعہ

کون ہے اپنا، اس قدر اپنا
جو ہمارے حوالے راز کرے؟
کون مانگے کسی سے پیار کی بھیک
کون دستِ طلب دراز کرے؟

## قطعہ

اِک زمانہ تھا کہ ہر شب میں مچلتے تھے چراغ
اب تو ہر صبح لیے تازہ سِتم آتی ہے
اِک وہ عالم کہ تیری یاد سے فرصت ہی نہ تھی
اِک یہ عالم کہ تیری یاد بھی کم آتی ہے

پُھونک رہا تھا، میرا گھر
بُھول گیا تھا، اپنا گھر
جانے کب بے گھر کر دے
پل پل روز سِمٹتا گھر
آج تلک شرمِندہ ہوں
بچپن میں سوچا تھا، گھر
مرکز فتنہ سازوں کے
مندر، مسجد، گرجا گھر
ہم سب لوگ تماشائی
دُنیا ایک تماشہ گھر!!!